مسلمانوں کی حالت

حضرت مولانا حکیم
عبد القیوم شہید قادری عثمانی بدایونی

ترتیب و تقدیم
مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

شکریہ

ہم عزت مآب محترم جناب علامہ اسید الحق عاصم قادری دامت برکاتہم العالیہ کے نہایت ممنون ہیں کہ انھوں نے یہ کتاب انٹرنیٹ پر پبلش کرنے کے لئے نفس اسلام کو عنایت فرمائی۔ اللہ تبارک وتعالی ان کے اس تعاون اور شفقت پر ان کو اجر کثیر عطا فرمائے اور قبلہ علامہ صاحب کے فیوضات و برکات ودرجات میں مزید اضافہ فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین ﷺ

!!! دعائوں کی طلبگار !!!

نفس اسلام ویب ٹیم

www.nafseislam.com

ملت اسلامیہ کا ماضی، حال، مستقبل

حضرت مولانا حکیم **محمد عبد القیوم** شہید قادری عثمانی بدایونی

ترتیب و تقدیم

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

ناشر

تاج الفحول اکیڈمی بدایوں

سلسلۂ مطبوعات (۲۷)

☆ کتاب : ملت اسلامیہ کا ماضی، حال، مستقبل
☆ تصنیف : مولانا حکیم محمد عبدالقیوم شہید قادری بدایونی
☆ ترتیب وتقدیم : مولانا اسیدالحق محمد عاصم قادری
☆ طبع اول : ۱۳۱۶ھ (مطبع اہل سنت پٹنہ)
☆ طبع جدید : ۲۰۰۸ء/۱۴۲۹ھ
☆ پروف ریڈنگ : قاری محمد شان رضا قادری
☆ تعداد : گیارہ سو (۱۱۰۰)
☆ کمپوزنگ : عثمانیہ کمپیوٹرز مدرسہ قادریہ بدایوں
☆ ناشر : تاج الفحول اکیڈمی بدایوں
☆ تقسیم کار : مکتبہ جام نور، ۴۲۲ مٹیا محل جامع مسجد دہلی
☆ قیمت :

رابطے کے لئے
TAJULFAHOOL ACADEMY
MADARSA QADRIA, MAULVI MOHALLA, BUDAUN-243601 (U.P.)
Phone : 0091-9358563720

انتساب

مدرسہ اہل سنت (پٹنہ) کے بانی و مہتمم

اور

ماہنامہ تحفۂ حنفیہ (پٹنہ) کے مدیر و منتظم

حضرت مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی

کے نام

جن کی فرمائش پر یہ مقالہ لکھا گیا اور انھیں کے زیر اہتمام پہلی بار شائع ہوا۔

جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء ورحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نیاز کیش

اسید الحق

جشن زریں

رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے

شوال ۱۴۲۹ھ/ مارچ ۲۰۱۰ء میں تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف) کے عہد سجادگی کو پچاس سال مکمل ہونے جارہے ہیں، ان پچاس برسوں میں اپنے اکابر کے مسلک پر مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے رشد و ہدایت، اصلاح و ارشاد، وابستگان کی دینی اور روحانی تربیت اور سلسلۂ قادریہ کے فروغ کے لئے آپ کی جدوجہد اور خدمات محتاج بیان نہیں، آپ کے عہد سجادگی میں خانقاہ قادریہ نے تبلیغی، اشاعتی اور تعمیری میدانوں میں نمایاں ترقی کی، مدرسہ قادریہ کی نشاۃ ثانیہ، کتب خانہ قادریہ کی جدید کاری، مدرسہ قادریہ اور خانقاہ قادریہ میں جدید عمارتوں کی تعمیر، یہ سب ایسی نمایاں خدمات ہیں جو خانقاہ قادریہ کی تاریخ کا ایک روشن اور تابناک باب ہیں۔

بعض وابستگان سلسلہ قادریہ نے خواہش ظاہر کی کہ اس موقع پر نہایت تزک و احتشام سے "پچاس سالہ جشن" منایا جائے، لیکن صاحبزادۂ گرامی قدر مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری (ولی عہد خانقاہ قادریہ بدایوں) نے فرمایا کہ "اس جشن کو ہم 'جشن اشاعت' کے طور پر منائیں گے۔ اس موقع پر اکابر خانوادۂ قادریہ اور علماء مدرسہ قادریہ کی پچاس کتابیں جدید آب و تاب اور موجودہ تحقیقی و اشاعتی معیار کے مطابق شائع کی جائیں گی، تاکہ یہ پچاس سالہ جشن یادگار بن جائے اور آستانہ قادریہ کی اشاعتی خدمات کی تاریخ میں یہ جشن ایک سنگ میل ثابت ہو" لہٰذا حضور صاحب سجادہ کی اجازت و سرپرستی اور صاحبزادہ گرامی کی نگرانی میں تاریخ ساز اشاعتی منصوبہ ترتیب دیا گیا اور اللہ کے بھروسے پر کام کا آغاز کر دیا گیا، اس اشاعتی منصوبے کے تحت گزشتہ دس ماہ میں ۱۳ر کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، اب تاج الفحول اکیڈمی منصوبے کے دوسرے مرحلے میں ۱۵ر کتابیں منظر عام پر لا رہی ہے، زیر نظر کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

رب قدیر و مقتدر سے دعا ہے کہ حضرت صاحب سجادہ (آستانہ قادریہ بدایوں) کی عمر میں برکتیں عطا فرمائے، آپ کا سایہ ہم وابستگان کے سر پر تادیر قائم رکھے۔ تاج الفحول اکیڈمی کے اس اشاعتی منصوبے کو بحسن و خوبی پایۂ تکمیل کو پہنچائے اور ہمیں خدمت دین کا مزید حوصلہ اور توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

عبدالقیوم قادری

جنرل سکریٹری تاج الفحول اکیڈمی

فہرست مشمولات

☆☆☆

حرف آغاز

انیسویں صدی کی آخری اور بیسویں صدی کی ابتدائی دو دہائیاں کئی جہتوں سے اسلامیان ہند کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ملت کی علمی، فکری، تہذیبی، تمدنی ہر سطح پر اسی زمانے میں انقلاب کے آثار نمایاں ہونا شروع ہوئے، نظام تعلیم، نصاب تعلیم، مقصدِ تعلیم اور نتیجہ تعلیم ہر چیز اس انقلاب کی زد میں آئی، قدیم وجدید کی کشمکش اس زمانے میں اپنے عروج پر تھی، ایک طرف وہ جدیدیت پسند مغرب زدہ حضرات تھے جو جدید تعلیم اور مغربی تہذیب ہی کو امت اسلامیہ کے لئے واحد ذریعہ نجات گمان کرتے تھے، ان کی رائے تھی کہ دنیا میں ایک باعزت، باوقار اور مہذب وتعلیم یافتہ قوم کہلانے کے لئے مسلمانوں کو جان و دل سے مغربی علوم اور مغربی تہذیب کو اپنانا چاہیے، اور جتنی جلدی ہو سکے قدیم روایات، خرافات وتوہمات پر مبنی مذہبی نظریات اور دقیانوسی عادات واطوار کو ترک کر دینا چاہیے کیوں کہ مسلمانوں کی ترقی میں اگر کوئی سب سے بڑا روڑا ہے تو وہ یہی چیزیں ہیں۔

دوسری طرف ان علماء کرام کا طبقہ تھا جو سختی سے اپنی قدیم روایات اور مذہبی نظریات پر قائم تھے اور اسی کو دین ودنیا میں اپنی سعادت تصور کرتے تھے، اس سے سرموانحراف کو گمراہی اور دارین میں خسران کا باعث سمجھتے تھے، ''انگریزی تعلیم'' اس زمانے میں ایک ایسا لفظ تھا جو علماء کی نظر میں کسی گالی سے کم نہیں تھا، علماء کرام اس تمام الحاد، بے دینی اور گمراہی کا بنیادی سبب اسی ''انگریزی تعلیم'' کو گردانتے تھے۔علما کو خدشہ تھا کہ اگر ملت کے درمیان ''انگریزی تعلیم'' کو فروغ دیا گیا تو دین ومذہب کا جنازہ نکل جائے گا۔

علما کے اس خدشہ کی بنیاد بھی دراصل ان جدت پسندوں اور جدید تعلیم یافتہ افراد کے بعض انتہا پسندانہ رویوں پر تھی، حالانکہ تجدید و اصلاح کا نعرہ اس اعلان کے ساتھ لگایا گیا تھا کہ ''ہمارے ایک ہاتھ میں قرآن ہوگا دوسرے ہاتھ میں سائنس کی کتاب ہوگی اور پیشانی پر کلمہ طیبہ لکھا ہوگا'' لیکن یہ عزم اور اعلان حقیقت کی دنیا میں کتنا سچا ثابت ہوا یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

زیر نظر کتاب دراصل اسی عہد کشمکش کی نمائندگی کرتی ہے، کتاب کے مصنف کا تعلق طبقۂ علما سے ہے اور کتاب کے اولین مخاطب وہی پہلے طبقہ کے جدت پسند حضرات ہیں۔

کتاب میں ملت اسلامیہ کی دو تصویریں پیش کی گئی ہیں، ایک قدیم دوسری جدید، ان دونوں تصویروں کا تجزیہ کر کے یہ نتیجہ برآمد کیا گیا ہے کہ جب تک ملت اپنی قدیم روایات پر قائم رہی عزت و وقار، علم و ترقی، جہاں گیری و جہاں بانی اس کا مقدر رہی اور جب ملت قدیم روش سے انحراف کر کے جدیدیت کی طرف مائل ہوئی تو ذلت و رسوائی، غیروں کی ذہنی و فکری غلامی، مغرب کی اندھی تقلید اور زوال و شکست اس کے حصہ میں آئی۔

یہ کتاب آج سے ایک سو تیرہ سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس ایک صدی میں کتنے انقلاب آئے، ماہ و سال نے کتنی کروٹیں لیں اور زمانے کے پلوں کے نیچے سے کتنا پانی بہہ گیا، اس کے باوجود اس کتاب کی اہمیت و افادیت آج بھی اتنی ہی ہے جتنی اس کے عہد تالیف میں تھی، مصنف نے جن خامیوں کو ہمارے زوال کا سبب قرار دیا تھا وہ آج بھی جیوں کی توں ہمارے اندر موجود ہیں اور ترقی و عزت کے جن زینوں کی طرف اشارہ کیا گیا تھا وہ آج بھی کسی آنے والے کی راہ تک رہے ہیں۔

حکیم شہید کا یہ رسالہ پہلی اور آخری بار ماہنامہ تحفۂ حنفیہ پٹنہ سے قسط وار شائع ہوا تھا، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

قسط ۱ جلد ۲ شمارہ ۲	جمادی الآخرہ ۱۳۱۶ھ	ص ۱ تا ص ۴
قسط ۲ جلد ۲ شمارہ ۳	رجب المرجب ۱۳۱۶ھ	ص ۱ تا ص ۴

قسط ۳	جلد ۲ شمارہ ۴	شعبان المعظم ۱۳۱۶ھ	ص ۱ تا ص ۸
قسط ۴	جلد ۲ شمارہ ۵	رمضان المبارک ۱۳۱۶ھ	ص ۵ تا ص ۸
قسط ۵	جلد ۲ شمارہ ۶	شوال المکرم ۱۳۱۶ھ	ص ۵ تا ص ۳۲

رسالہ میں کچھ عناوین پہلے سے تھے اور کچھ ذیلی سرخیوں اور عناوین کا ہم نے اضافہ کر دیا ہے، رسالہ کی زبان قدیم ہے۔ عربی، فارسی کے مشکل الفاظ کا استعمال کثرت سے کیا گیا ہے اور طرز تحریر خطیبانہ ہے۔ ہم نے اصل متن میں کچھ زیادہ تصرف نہیں کیا ہے صرف بعض جگہ کسی مشکل عربی یا فارسی لفظ کا آسان اردو متبادل لکھ دیا ہے۔ بریکٹ میں آیات، احادیث یا عربی عبارتوں کے اردو ترجمہ کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

اس رسالہ کی تالیف اور اشاعت میں چونکہ حضرت مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی رحمۃ اللہ علیہ کا اہم رول تھا اس لئے اس کا انتساب انھیں کی ذات گرامی کی جانب کیا جا رہا ہے۔

رب مقتدر سے دعا ہے کہ ملت کا درد رکھنے والے ان نیک نفوس اکابر و اسلاف کے درجات بلند فرمائے، انھیں جزائے خیر عطا فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اسید الحق محمد عاصم قادری
مدرسہ قادریہ بدایوں

۱۷ر رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ
۱۸ر ستمبر ۲۰۰۸ء

☆☆☆

تعارف مصنف

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

خاندان: بدایوں کا خانوادۂ عثمانیہ قادریہ برصغیر ہند و پاک کا وہ منفرد خانوادہ ہے جو علم و فن، درس و تدریس، تصوف و سلوک، ارشاد و ہدایت اور خدمت دین وحمایت مذہب کی آٹھ سو سالہ زریں اور تابناک تاریخ رکھتا ہے۔ سیف اللہ المسلول سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی قدس سرہٗ (ولادت ۱۲۱۳ھ/ وفات ۱۲۸۹ھ) اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے دو صاحبزادے ہوئے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا محی الدین قادری (ولادت ۱۲۴۳ھ/ وفات ۱۲۷۰ھ) اور چھوٹے صاحبزادے حضرت تاج الفحول محب رسول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی (ولادت ۱۲۵۳ھ/ وفات ۱۳۱۹ھ)۔ حضرت مولانا محی الدین قادری کے صاحبزادے حضرت مولانا حکیم مرید جیلانی (ولادت ۱۲۶۴ھ/ وفات ۱۲۹۷ھ) تھے۔ مصنف کتاب حضرت مولانا حکیم عبدالقیوم قادری نوری انھیں مولانا حکیم مرید جیلانی کے صاحبزادے، مولانا محی الدین قادری بدایونی کے پوتے اور سیف اللہ المسلول سیدنا شاہ فضل رسول بدایونی کے پرپوتے ہیں۔

ولادت، تعلیم و تربیت: آپ کی ولادت ماہ شوال المکرم ۱۲۸۳ھ کو ہوئی۔ جد محترم حضرت سیف اللہ المسلول نے محمد عبدالقیوم نام تجویز فرمایا ''ذاکر رسول اللہ'' تاریخی نام ہے، سیف اللہ المسلول کی آغوش عاطفت میں نشو و نما ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ قادریہ کے

مختلف اساتذہ سے حاصل کی، اس کے بعد حضرت تاج الفحول کی درسگاہ میں زانوئے تلمذ تہہ کیا اور جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ حضرت تاج الفحول سے حاصل کئے، فراغت کے بعد علم طب کی طرف متوجہ ہوئے۔ اولاً حضرت مولانا سراج الحق قادری عثمانی (ولادت ۱۲۴۶ھ/ وفات ۱۳۲۳ھ) ابن مجاہد آزادی مولانا فیض احمد قادری بدایونی سے تحصیل کی، پھر دہلی جا کر حاذق الملک ابوسعید حکیم عبدالمجید خاں صاحب کی صحبت میں رہ کر طب میں کمال حاصل کیا۔ (اکمل التاریخ، ج:۲/ص:۱۹۵، مطبع قادری بدایوں)

بیعت و اجازت: حکیم شہید رحمۃ اللہ علیہ تاجدار مارہرہ نور العارفین حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہٗ کے دست حق پرست پر سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں بیعت ہوئے اور آپ ہی نے اجازت وخلافت عطا فرمائی۔ صاحب تذکرۂ نوری مولانا غلام شبر صاحب بدایونی لکھتے ہیں:

> مولوی حکیم محمد عبدالقیوم صاحب عثمانی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد عبدالمجید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاف میں تھے اور حضور اقدس (حضرت نوری میاں) قدس سرہٗ کے مرید وخلیفہ، با اخلاص عقیدت مند اور اس عاجز کے بہت پیارے بھائی تھے۔
> (تذکرۂ نوری، ص: ۱۶۵، سنی دارالاشاعت لائلپور پاکستان، ۱۹۶۸ء)

مولانا غلام شبر صاحب نے تذکرۂ نوری میں آپ کو حضرت نوری میاں کے ''اعز الخلفاء'' کے لقب سے یاد کیا ہے۔ حضرت تاج الفحول نے بھی آپ کو تمام سلاسل کی اجازت و خلافت عطا فرمائی تھی، اس کے علاوہ حضرت شاہ عبدالعزیز مکی قدس سرہٗ (خلیفہ سیف اللہ المسلول) سے بھی اجازت وخلافت حاصل تھی۔ (اکمل التاریخ، ص:۱۹۷)

عادات و خصائل: فراغت کے بعد آپ نے درس وتدریس اور مریضوں کے علاج کو اپنا مشغلہ بنایا، غرباء پروری، خدمت خلق اور حاجت مندوں کی حاجت براری کی شان آپ

کے اندر نمایاں نظر آتی ہے۔آپ کے شاگرد مولانا عبدالحی صدیقی بدایونی لکھتے ہیں:

دن خدمت خلق و نفع رسانیٔ خلق اللہ میں وقف تھا، یا درس کتب طب ہو رہا ہے یا مریضوں کے معالجہ میں اوقات گزر رہے ہیں، غرباء کو مفت دوائیں بٹ رہی ہیں، کسی سے خواہ امیر ہو، خواہ غریب کبھی بسلسلۂ طب وحکمت ایک پیسہ تک نہیں لیا جاتا یا غرباء ومساکین کی انجاح حاجات میں دوا دوش ہے یا ہدایت و نفع مسلمین کے لئے تصنیف رسائل مفیدہ ومضامین نافعہ شغل ہے، رات ذکر و فکر الٰہی کے لئے بنائی گئی تھی، سبحان اللہ عجب لیل ونہار تھے۔

(ماہنامہ تحفۂ حنفیہ پٹنہ، جلد ۴، شمارہ ۹-۱۰، ص:۶، رمضان وشوال ۱۳۱۸ھ)

مدرسہ شمسیہ کا قیام: علم دین کی ترویج واشاعت کے لئے آپ نے جامع مسجد شمسی بدایوں میں حضرت تاج الفحول کی سرپرستی میں ایک عظیم دارالعلوم کے قیام کا منصوبہ بنایا، ۱۱ رصفر ۱۳۱۷ھ کو حضرت تاج الفحول کی سرپرستی میں مدرسہ شمسیہ کا قیام عمل میں آیا، جس کے لئے عظیم الشان جلسۂ افتتاح منعقد کیا گیا، حضرت علامہ محب احمد صاحب صدیقی بدایونی (تلمیذ حضرت تاج الفحول) مدرسہ کے پہلے صدر مدرس مقرر ہوئے۔

مولانا ضیاء القادری لکھتے ہیں:

حضرت شہید مرحوم نے ۱۳۱۷ھ میں جب دارالعلوم ندوہ کے قیام کا شہرہ ہوا تو ایک بلند پایہ درسگاہ قائم کرنے کی تجویز سوچی، اس تجویز کو مجلس علماء اہل سنت نے عملی صورت میں لانے کی تحریک کی، چنانچہ اسی سال جامع شمسی بدایوں میں ایک عظیم الشان افتتاحی جلسہ مدرسہ کا منعقد کیا گیا جس میں مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی، مولانا سید شاہ عبدالصمد صاحب سہسوانی، مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی و دیگر مشہور علماء نے شرکت کی۔ جامع مسجد ہی میں یہ مدرسہ شمسیہ کے نام

سے قائم کیا گیا۔ (تذکرۂ طیبہ، ص: ۱۴، مطبع نظامی بدایوں ۱۳۵۱ھ)
آپ کی عمر نے وفا نہ کی اور مدرسہ کے قیام کے اگلے ہی سال آپ کی وفات ہوگئی، آپ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا حکیم عبدالماجد قادری بدایونی نے اس مدرسہ کی تعمیر وترقی کے لئے جدوجہد کی اور اس کو اوج کمال تک پہنچا دیا۔
(تفصیل کے لئے دیکھئے "تذکرۂ ماجد"، مرتبہ: اسید الحق قادری، تاج الفحول اکیڈمی بدایوں)
قلمی خدمات: آپ نے صرف ۳۵ سال کی مختصر سی عمر پائی، اس میں اپنی گونا گوں مصروفیات کے باوجود تصنیف وتالیف کے میدان میں ایک قابل قدر ذخیرہ چھوڑا، آپ کی جو تصانیف اب تک ہمارے علم میں آئی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:
(۱) رسالہ بیان شفاعت (ماہنامہ تحفۂ حنفیہ پٹنہ میں شائع ہوا)
(۲) رسالہ فضائل الشہور (ماہنامہ تحفۂ حنفیہ پٹنہ میں شائع ہوا)
(۳) رسالہ بیان غربت اسلام (ماہنامہ تحفۂ حنفیہ پٹنہ میں قسط وار شائع ہوا)
(۴) سطوۃ فی ردہفوات ارباب دار الندوۃ (مطبوعہ مطبع نسیم سحر بدایوں، ۱۳۱۳ھ)
(۵) رسالہ سماع موتیٰ (تحفۂ حنفیہ پٹنہ سے دو قسطوں میں شائع ہوا، بعد میں مطبع حنفیہ پٹنہ سے علیحدہ شائع ہوا۔ اب تاج الفحول اکیڈمی بدایوں شائع کرنے جارہی ہے)
(۶) رسالہ احکام واسرار صلاۃ
(۷) رسالہ تدابیر معالجات (طب غیر مطبوعہ)
(۸) شرح سبعہ معلقہ (پانچ قصائد کی شرح غیر مطبوعہ)
(۹) رسالہ علم عروض (غیر مطبوعہ)
(۱۰) اسلامی ناول (تاریخی ناول، تحفۂ حنفیہ پٹنہ میں قسط وار شائع ہوا)
وفات: مدرسہ اہل سنت پٹنہ کے سالانہ جلسہ میں شریک ہونے کے لئے حضرت تاج الفحول کے ہمراہ پٹنہ تشریف لے جارہے تھے، فجر کے وضو کے لئے ریل سے اترے، اسی اثنا میں

ریل چل دی، آپ نے دوڑ کر ریل میں سوار ہونا چاہا پیر پھسلا اور آپ پلیٹ فارم سے نیچے گر گئے، گاڑی روکی گئی، آپ کو اٹھایا گیا، پٹنہ پہنچ کر علاج شروع ہوا، وقت مقررہ آچکا تھا، لہٰذا ۱۴ر رجب ۱۳۱۸ھ کو آپ نے پٹنہ ہی میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ وہیں تجہیز و تکفین کی گئی، حضرت مولانا شاہ سید امین الدین فردوسی رحمۃ اللہ علیہ (صاحب سجادہ بہار شریف) نے نماز جنازہ پڑھائی، سیکڑوں علماء و مشائخ جنازے میں شریک ہوئے، آپ کی نعش کو بذریعہ ریل پٹنہ سے بدایوں لایا گیا اور درگاہ قادری میں اپنے جدّ محترم حضرت سیف اللہ المسلول کے پائینتی سپرد خاک کئے گئے۔

مولانا ضیاء القادری آپ کے سانحۂ رحلت کی تفصیل لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> پٹنہ میں ندوۃ العلماء کا جلسہ بھی تھا اور مدرسہ اہل سنت کا سالانہ اجلاس بھی مولانا قاضی عبد الوحید صاحب مرحوم کی سرکردگی میں طلب ہوا تھا۔ آپ نے جلسہ کی کامیابی کے لئے تمام ہندوستان میں دورہ کیا اور علماء کو شرکت کے لئے آمادہ کیا، بکثرت علماء اپنے مستقر سے پٹنہ آپ کی دعوت پر روانہ ہو رہے تھے اور ہو چکے تھے، آپ بھی علماء کرام کی ایک جماعت کے ساتھ ریل میں سفر فرما رہے تھے کہ وار ارنگر اسٹیشن پر گاڑی رُکی، نماز فجر کا وقت تھا آپ پلیٹ فارم پر اُترے حوائج ضروریہ سے فارغ ہوئے، وضو کیا ریل نے سیٹی دی، آپ نے حالت اضطراب میں لپک کر چلتی ریل میں سوار ہونے کا قصد کیا، ریل تیز ہو چکی تھی، پیر پھسلا لوہے کی سلاخ ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ آپ پلیٹ فارم اور ریل کے درمیانی خلا میں گر گئے اور نہ معلوم کتنے چکروں کے ساتھ ریل کے پہیوں میں گھسٹتے چلے گئے۔ تمام مسافروں میں شور مچ گیا مولانا شاہ محمد فاخر چشتی اجملی الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ سب سے پہلے چلتی گاڑی میں سے کود پڑے، گاڑی روک دی گئی۔ یہ نازک اندام شہید ملت جس کے

حسن صورت وحسن سیرت میں مدینہ کی تجلیاں، بغداد کی جلوہ آرائیاں مضمر تھیں غیبی ہاتھوں، روحانی حصاروں میں ریل سے گرتے ہی لے لیا گیا تھا۔ قادر ومقتدر مولا کی قدرت نمائیاں کارفرما تھیں، ہزاروں لوگوں نے دیکھا کہ ریل کے رکتے ہی بلاکسی کے سہارے حضرت شہید ملت ریل کے پہیوں سے دامن قبا چھڑاتے ہوئے باہر نکل آئے، مولانا فاخر نے جن کے پاؤں میں سخت چوٹ آچکی تھی دوڑ کر آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ مسافروں، ہمراہیوں میں تشکر الٰہی کے لئے تکبیر کی آوازیں بلند ہوئیں مگر لوگوں نے دیکھا کہ حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کی خدابیں آنکھیں پُرآب تھیں، شہید ملت کو ہاتھوں ہاتھ گاڑی میں سوار کرلیا گیا۔ بظاہر جسم پر کوئی خراش نہ تھی مگر دست قضا اپنا کام کر چکا تھا، روح مضمحل تھی، غشی طاری تھی، عم گرامی مولوی ستار بخش صاحب قادری نے فوراً پٹنہ، بدایوں اور مختلف مقامات کو تار دیئے، گاڑی یہاں سے روانہ ہو کر چوسہ اسٹیشن پر جہاں پلیگ کا قرنطینہ تھا رکی وہاں یہ پوری جماعت اُتار لی گئی۔ یہاں سے بہ ہزار وقت دوسرے روز روانگی کی اجازت ملی۔ اس اچانک حادثہ کی اطلاع تمام ہندوستان میں بجلی کی طرح پہنچ گئی۔ پٹنہ اسٹیشن پر شہید ملت کے لئے ہزاروں مسلمان بے شمار علماء و مشائخ موجود تھے۔ آپ کو کرب و اضطراب کی حالت میں فرودگاہ تک نہایت محفوظ طریقہ سے پہنچایا گیا، وہاں حضرت سید العرفاء مولانا شاہ امین احمد صاحب بہاری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد اور دیگر مشائخ کبار بہار کے اصرار پر ڈاکٹری علاج شروع کیا گیا، ڈاکٹر نے کسی کو ملنے، گفتگو کرنے، مریض کو جنبش کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔ حضرت تاج الفحول علیہ الرحمۃ کے حکم کے مطابق حضرت مولانا سید شاہ عبدالصمد صاحب

چشتی نظامی سہسوانی، حضرت پیر دستگیر مولانا شاہ عبدالمقتدر غلام پیر، مولوی امداد رسول عثمانی، مولانا الحاج شاہ فضل مجید فاروقی، عمی خانصاحب مولوی ستار بخش صاحب قادری، منشی مولوی شیخ ہدایت اللہ صاحب مرحوم مخصوص طور پر تیمارداری کے لئے مقرر تھے۔ اس عاشق رسول، اس شہید ملت کو جب ذرا ہوش آتا جلسہ کی شرکت اور کامیابی کا تذکرہ زبان پر جاری ہوتا، مگر قدرت کو منظور تھا کہ مذہبی عشق، صداقت و حقانیت کی دنیا ،جذبات خلوص کی ہنگامہ آرائی آپ کے سینہ کے اندر ہی رہے اور ان تمناؤں کو لئے ہوئے آپ دربار ربّ العزت میں حاضر ہوں، غرض ۱۳ر رجب کو اسی حالت میں کہ تیماردار آپ کی صحت پر شاداں تھے، طبیعت رو بہ افاقہ تھی یکایک دل وجگر کے ٹکڑے خون بن بن کر استفراغ کی راہ سے نکلنا شروع ہوئے۔ اُدھر جلسہ بصد کامیابی ختم ہونے کی صدا بلند ہوئی اُدھر یہ سرفروش مجاہد ملّت عروس شہادت سے ہمکنار ہو کر راہئ دار القرار ہوا، اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا الیہ راجعون۔ پٹنہ ہی میں غسل میت ہوا وہیں نماز جنازہ ہوئی۔ نماز جنازہ حضرت مولانا سید شاہ امین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔ ہزار ہا مسلمان سیکڑوں علما و مشائخ نے نماز جنازہ میں شرکت کی ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلی نماز جنازہ تھی کہ بے شمار اولیا، مشائخ، علما، فضلا، صلحا و عمائد شریک ہوئے۔

(تذکرۂ طیبہ ص: ۶، ۷، ۸، مطبع نظامی بدایوں ۱۳۵۱ھ)

اعلی حضرت فاضل بریلوی کا تعزیتی مکتوب: حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی اس اچانک اور حادثاتی وفات پر ہندوستان کے سرکردہ علماء و مشائخ نے حضرت تاج الفحول اور سرکار صاحب الاقتدار سیدنا شاہ عبدالمقتدر قادری بدایونی کے نام تعزیتی خطوط ارسال کئے اور شعراء نے قطعات تاریخ نظم کئے، ان میں سے اکثر خطوط اور قطعاتِ تاریخ ایک

جلد میں محفوظ کر دیئے گئے، یہ قلمی مجموعہ کتب خانہ قادری بدایوں میں محفوظ ہے۔ حضرت فاضل بریلوی نے بھی ایک طویل خط ارسال فرمایا، ہم یہاں اس خط کے بعض ضروری اقتباس ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں:

بگرامی ملاحظہ مولانا وبکل الفضل اولانا ذی المجد والفضل والکرم الباہر مولانا مولوی محمد عبدالمقتدر صاحب رقاہم اللہ تعالیٰ الی اقصیٰ مدارج الکمال و اعلیٰ معارج الجمال آمین۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولانا! شب جمعہ میں میں نے کچھ فرصت پائی اپنے برادر اعز شہید مرحوم رحمہ اللہ تعالیٰ کے مرثیہ میں چند اشعار کی طرح ڈالی، حضرت سید ابراہیم میاں صاحب نے انھیں قلم بند فرمالیا کہ زبانی سہو نہ ہو جائیں، شب کو سویا تو شہید مرحوم رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا میرے مکان میں تشریف لائے ہیں، بدن نہایت تر و تازہ کہ حیات دنیوی میں ہرگز ایسا نہ تھا اور رنگ کی چمک ایسی کہ گویا ہر عضو بدن سے ایک شعاع لطیف کی حالت نمایاں، خصوصاً آنکھوں کی چمک واللہ اِس وقت میری نگاہ میں ہے۔ کپڑے سر سے پاؤں تک نہایت سفید براق، بے داغ، چمکتے ہوئے کہ ایسے کپڑے حیات میں تو کسی کے قطعاً سننے میں بھی نہ آئے اور خواب میں بھی سوا حضرت والد ماجد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی کے دیکھنے یاد نہیں، بہت شاد و مسرور آکر نہایت محبت کے ساتھ میرے سینے سے لپٹ گئے میں نے غایت محبت برادرانہ سے برخلاف عادت حیات کہ ان کی پیشانی کا بوسہ لیا کرتا تھا لبوں کا بوسہ لیا اور آنکھ کھل گئی، کچھ باتیں کہ ہوئیں اصلاً یاد نہ رہیں، میں نے چاہا تھا کہ صبح ہی آپ کو بحمد اللہ تعالیٰ اس رویاء صالحہ کی اطلاع

لکھوں گا مگر کچھ بے فرصتی کچھ آپ کے گرامی نامہ کا انتظار رہا، وہ اشعار یہ تھے ؎

ابکی و امزج دمعاً ساجماً بدم
وما بکائی لجیران بذی سلم
ولا لریح اتت من صوب کاظمة
ولالبرق بدا فی الداج من اضم

تقریباً دس اشعار تحریر فرمانے کے بعد فرماتے ہیں:

دعاء فرمایئے کہ قصیدہ بالخیر ختم ہو جائے، جب سے پھر ایک مصرع کی فرصت نہ ملی، ہاں فارسی میں ایک قطعہ تاریخی دو شعر کا لکھا ہے جس سے کئی ہزار تاریخیں نکل سکیں گی، یہ ایجاد خاص ہے اس قطعہ سے غالباً انشاء اللہ تعالیٰ ایک ہزار سے زائد قطعات تاریخی نکلیں گے، ہر قطعہ مثل اصل چار مصرع کا ہر مصرع ہر قطعہ کا تاریخی ہوگا تو امید ہے کہ چار ہزار سے زیادہ مصاریع تاریخی پیدا ہوں گے، ابھی اس کا محاسبہ نہیں کیا ہے، یہ قطعہ رات ہی لکھا ہے، آپ کا عنایت نامہ مع عبارت تشریف لایا **جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء**

کچھ آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

مولانا! یہ اذل ارذل بھی آپ کو اعلیٰ حضرت دام ظلہم (تاج الفحول، اسیدؔ) کے مخاطبہ کے لائق نہیں سمجھتا لہٰذا جو کچھ عرض کرتا شہید مرحوم کو خط لکھتا کہ بہ نسبت آپ کے ان سے زیادہ بے تکلف تھا، میں نے ان آنکھوں سے اپنے والد ماجد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کے والد کریم دام ظلہم کا غایت ادب کرتے دیکھا ہے، مجھ پر لازم ہے کہ آپ کا ادب کروں، اور شہید مرحوم سے بے تکلفی کا برتاؤ تھا اب کہ وہ تشریف

لے گئے اور ہماری کمریں خم کر گئے آپ سے مخاطبہ کیا کرتا ہوں، اللہ عزوجل آپ کو ہر شر سے محفوظ و مصون اور قرون متطاولہ تک مفیض مسلمین ومعافی و مامون رکھے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلیہم اجمعین والحمدللہ رب العالمین۔

اس کے بعد مطیع اہل سنت اور مدرسہ کے انتظامی امور سے متعلق کچھ باتیں تحریر فرما کر خط کا اختتام کرتے ہیں، یہ خط ۱۰ رشعبان ۱۳۱۸ھ بروز منگل کو بریلی سے تحریر کیا گیا ہے۔

اولاد: حضرت حکیم شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دو صاحبزادے ہوئے۔

(۱) مجاہد آزادی حضرت مولانا حکیم ابوالمنظور عبدالماجد قادری بدایونی

(۲) مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالحامد قادری بدایونی

بڑے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالماجد قادری بدایونی کی ولادت ۱۳۰۴ھ میں ہوئی۔ آپ اپنے زمانے کے زبردست خطیب اور قومی وملی قائد تھے، جدوجہد آزادی میں صف اول میں قائدانہ کردار ادا کیا، اپنے زمانے کی تمام اہم ملی وقومی تحریکات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ۲۰ سے زیادہ تصنیفات وتالیفات کا ذخیرہ چھوڑا، تحریر وتقریر، درس وتدریس، دعوت وتبلیغ اور احقاق حق و ابطال باطل ہر میدان میں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دین وملت کی خدمت کی۔ ۳ رشعبان ۱۳۵۰ھ (۱۹۳۱ئ) کو صرف ۴۶ رسال کی عمر میں وفات پائی، درگاہ قادریہ بدایوں میں اپنے مرشد گرامی سیدنا شاہ مطیع الرسول عبدالمقتدر قادری بدایونی کے پائنتی آرام فرما ہیں۔ (تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے ''تذکرۂ ماجد''، مرتبہ: اسید الحق قادری)

چھوٹے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالحامد قادری بدایونی ۱۳۱۸ھ میں پیدا ہوئے،

عالم وفاضل، بہترین خطیب، ملی قائد اور مصنف تھے، ملی تحریکات میں اپنے بڑے بھائی کی زیر نگرانی حصہ لیا، بعد میں مسلم لیگ سے وابستہ ہوئے اور قیام پاکستان کی جد و جہد میں شریک رہے، تقسیم کے بعد پاکستان ہجرت کر گئے وہاں جمعیۃ علماء پاکستان کے صدر بنائے گئے اور وفات تک اس عہدے پر فائز رہے۔ حکومت پاکستان کی جانب سے تمام ممالک اسلامیہ اور روس و چین کا دورہ کیا، تا کہ پاکستان کے حق میں عالمی رائے عامہ ہموار کی جا سکے۔ مختلف مذہبی، ملی اور سیاسی موضوعات پر ۲۰ سے زائد کتابیں یادگار چھوڑیں۔ ۱۳۹۰ھ (۱۹۷۰ئ) میں کراچی میں وفات پائی اور اپنے قائم کردہ ادارے جامعہ تعلیمات اسلامیہ کراچی میں سپرد خاک کئے گئے۔

قیام پاکستان کے لئے آپ کی جد و جہد کے اعتراف میں چند سال قبل حکومت پاکستان نے آپ کے نام کا ڈاک ٹکٹ جاری کیا۔

ان دونوں حضرات کا سلسلۂ اولاد واخلاف پاکستان، انگلینڈ اور امریکہ میں موجود ہے۔

☆☆☆

تمہید

زمانہ کا انقلاب۔

تاریخ دنیا کے سیاحوں کو اپنی محقق اور سراغ نظر سے یوں تو بہت کچھ سرد گرم زمانہ دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ مختلف نشیب و فراز اُن کی دُور بین نگاہ سے گزرتے ہیں۔ لیکن یہ امر اُن کی سرسری نظر سے بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتا کہ کسی وقت میں بھی زمانہ نئے خیالات کی تراش خراش سے پاک ثابت نہیں ہوسکا۔ زمانہ کا ہر وقت میں جدید روش اختیار کرنا، نیا پلٹا کھانا ضرور قدرتی فعل ہے۔ عرب کا سچا اور مشہور عام مقولہ الدھر دولاب یدور (زمانہ ایک ڈول ہے جو گھومتا رہتا ہے) ایسا نہیں جس کی صحت، جس کی واقعیت میں کسی ذی عقل کو کلام ہو۔ پرانے کارنامے جو آج تک تاریخی دنیا میں زندہ پائے جاتے ہیں وہ اس امر کی کافی شہادت دے سکتے ہیں کہ زمانہ کا انقلاب زمانہ کے ساتھ لازم ہے کہ اُس کی روک انسانی ہاتھوں میں نہیں دی گئی۔ جو ذی عقل زمانہ کے وجود کو تسلیم کرے گا اُس کو فوراً یہ بھی تسلیم کرنا لازمی بات ہے کہ زمانہ کے لئے انقلاب لازمی اور ضروری امر ہے۔ ایک قوم کا طرز معاشرت گو کسی وقت میں کتنا ہی طبائع پسند، عام و خاص کا مقبول کیوں نہ ٹھہر چکا ہو لیکن ایک پلٹے میں اُس پر ایسی انقلابی حالت پیدا ہونا ضروری ہے جس میں اُس کی وقعت پر بھی بہت کچھ نکتہ چینی کی جائے۔ ہاں ہاں دنیاوی تاریخ سے ہم کو اس امر کا بھی پورا ثبوت ملتا ہے کہ ایک گزشتہ سر بر آوردہ، نامور قوم کی عزت و شان مٹانے کے لئے دوسری قوم (جو فی الوقت کامیاب ہوتی ہے) اپنی کسی کوشش کو نہیں اُٹھا رکھتی۔ اُس معزز قوم کی جملہ بیش قیمت خوبیوں پر سخت اور پیہم حملے ہوتے ہیں۔ اُس کی تمام پسندیدہ خصلتیں نہایت بے وقعتی کی

نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ نئے خیالات پر جان دینے والوں کے ضروری فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ آثار و شواہد رفتگاں کو کسی نہ کسی طرح پامال کر دیں۔

اس جگہ پر یہ بات بھی خیال کرنے کے قابل ہے کہ جب زمانہ کا ہر وقت میں تبدیلیاں قبول کرنا اُس زبردست قوت کے دست قدرت کا نتیجہ ہے جس کے زبردست احکام تمام قوموں پر نافذ ہیں پھر زمانہ کے انقلاب پر رونا، ہائے واویلا مچانا اگر ایک فضول اور غیر مفید کوشش نہیں تو اور کیا ہے۔ اس شک کے اُٹھانے کے واسطے اگر چہ ہماری محدود عقل ایک عمدہ درجہ تک کام نہیں دے سکتی تاہم میں کہہ سکتا ہوں کہ جو کچھ اس کے جواب میں اس وقت مجھ کو کہنا ہے اُس کو کوئی حق پسند طبیعت نامنظور نہ کرے گی جس طرح یہ امر واقعی اور مسلم ہے کہ دنیاوی تغیرات اُس زبردست قوت سے وابستہ ہیں جس کو ہم لوگ قضا و قدر یا تقدیر یا قسمت و دیگر الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح یہ امر بھی بدیہی بلکہ اجلی البدیہیات سے ہے کہ قدرت نے اپنی بے بہا نعمتوں کی تقسیم میں ہرگز کوئی نامنصفانہ کارروائی نہیں فرمائی۔ البتہ اُن جلیل القدر نعمتوں سے مستفید اور متمتع نہ ہونا، اُن کا ازالہ، اُن کو بے قدر جان کر چھوڑ دینا یہ ضرور انسانی کام ہے۔ قدرت نے ہم کو عقل جیسی نعمت عطا کی ہے جس کی پاک اور شفاف روشنی میں اُن چیزوں کو ہم بخوبی تفریق سے دیکھ سکتے ہیں جو ہمارے حق میں مفید اور مضر ہیں۔ یہ کہنا کہ ہمارا کیا قصور، مشیت ایزدی یہی تھی سراسر ناانصافی ہے کیونکہ اس واہی اور رکیک عذر کا موقع **بعد الوقوع** حاصل ہوا۔ قبل وقوع آپ ضرور سمجھے ہوئے تھے کہ کرنا اور نہ کرنا دونوں آپ کے اختیار میں ہیں۔ اس اختیار کے ہوتے ہوئے جب کوئی ناکردنی آپ کر بیٹھے پھر اس عدول حکمی پر مجرم نہ ٹھہرنے کی کیا وجہ اور جب مجرم ہوئے پھر سزا بھگتنا بھی عین انصاف اور ضروری ہے۔ **وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم۔** (تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کا کیا دھرا ہے) وہ روشنی جو قدرتی طور پر ہم کو ملی ہے اگر ہم اُس میں بے جا تعصب اور نفسانیت کی گرد جھونک دیں گے تو پھر سخت خرابی اور بربادی نہ اُٹھانا پڑے، یہ کیونکر ہو سکتا ہے یہ **انّ اللّٰہ لا یغیر ما بقوم حتّی**

یُغَیِّرُ وا ما بانفسھم (اللہ اس قوم کی حالت اس وقت تک نہیں تبدیل کرتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنے اندر تبدیلی نہ کرے) کے بھی یہی معنی نہیں تو اور کیا ہیں۔ پس اس انقلاب میں نہ قدرت پر کوئی اعتراض، نہ انسان الزام سے بری، نہ اس انقلاب پر تاسّف و ملال بے جا۔

قوم مسلم ماضی اور حال۔

یہ انقلاب ایسا نہیں جس کی نظیر کسی زمانہ میں نہ موجود ہو۔ مگر اس وقت ایک قوم خاص کی دو متضاد حالتوں کا نہایت تعجب خیز اور حسرت انگیز نقشہ ہمارے پیش نظر ہے۔ اگر زمانہ کی نیرنگیاں ہزار حصوں پر تقسیم کی جائیں تو شاید میرا خیال غلط نہ ہو کہ نوسو ننیانوے نیرنگیاں اس قوم خاص میں ضرور اپنا رنگ دکھائیں گی۔ انقلاب زمانہ اگر با اجزا ہے تو جز و اعظم اسی قوم خاص کا حصہ ہے۔ ہماری مراد قوم خاص سے وہی قوم ہے جو آج کل ہر چھوٹے بڑے کے زیر بحث ہے۔ وہی قوم جس کے مرثیے آج ہر گلی کوچہ میں پڑھے جاتے ہیں۔ وہی قوم ہے جس کے بیان میں اخباروں کے کالم سیاہ ہوتے ہیں، وہی قوم ہے جس کا ذکر اخبار کا باعث فروغ اور نامہ نگاروں کا باعث ناموری، وہی قوم ہے جس کی اصلاح کے لئے انجمنیں، کانفرنسیں قائم ہیں، وہی قوم ہے جس کی جھوٹی طرفداری نے ایک دہلی نژاد کو انگلش مین بنا دیا، ہاں وہی قوم ہے جس کو مسلمان کہتے ہیں۔ اس قوم کی حالت جس قدر دردناک، پر حسرت، عبرت انگیز ہے، اُس کی کیفیت فاروق اعظم، غوث اعظم، امام اعظم سے پوچھئے کہ وہ جنت جہاں نہ کسی رنج وغم کا نام ہے نہ کوئی فکر اُس عیش دائمی میں مخل ہو سکتی ہے، اُس نشاط خانہ میں اس تباہ شدہ قوم کی حالت کے تصور نے اُن کو کیسا متفکر بنا رکھا ہے۔ اُن کی پاک روحیں کیا کہتی ہیں؟ اس قوم کی شان وشوکت، عظمت و رفعت کا اگر کچھ پتہ ہے تو اُن مردہ کتابوں میں جن پر فاتحہ پڑھنے والے بھی کم اور بہت کم ہیں۔ اس قوم کی موجودہ خرابی دیکھتے ہوئے کامیاب قوم کی قے چاٹنے والی قوم، آزاد منش قوم، نئی روشنی والی قوم کا اجتہاد، اُن کی خودرائی اُن کو اجازت نہیں دیتی کہ وہ پامال قوم کی گزشتہ عظمت و رفعت کا

اقرار کریں۔ یہ نہیں کہ وہ نہ سمجھتے ہوں بلکہ سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے کہ مفلوک الحال قوم جو آج کے دن جہالت و بے ہنری کے ٹیلے کے نیچے دبی ہوئی ہے وہ کسی دور میں بھی کسی وقت میں ترقی کے آسمان پر تھی۔ افسوس، افسوس، افسوس...... وہ قوم جو تمام اقوام سے اخلاق حمیدہ اور بے مثل خوبیوں میں بڑھی چڑھی تھی، جس قوم نے اپنی مذہبی تحریک سے اپنی اچھائیوں کا سلسلہ آفاق عالم پر بٹھا دیا، اپنی چمکتی ہوئی روشنی سے عالم کو منور کر دیا۔ اُس کے انوار عظمت پر ایسی خوفناک تاریکی اُس کی شامت اعمال سے چھا گئی جس کی موہوم امید بھی نہ تھی، صرف یہی نہیں کہ اغیار اُس کو بری نگاہ سے دیکھیں، اُس کی پچھلی وقعت، گزشتہ شان وشوکت سے چشم پوشی کریں۔ اگر یہی ہوتا تب بھی کچھ کم نہ تھا۔ رونا تو یہ ہے کہ اُسی قوم کے لوگ اُس کے پاکیزہ اور ضروری علوم پر دھبہ لگاتے، اُس کے مذہبی ضروریات کا ستیاناس لگانے پر نہایت سرگرمی کے ساتھ مستعد، اُس کی علمی تحقیقات قعر گمنامی میں ڈال کر دوسروں کے لباس سے آراستہ کی جاتی ہیں۔ اغیار کے نام سے مشہور کرنے پر فخر ہے، بڑے زور اور نہایت شدّ ومدّ کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ فلاکت زدہ، جاہل، نامہذب، بے ہنر صرف موجودین مسلمان ہی نہیں ہیں بلکہ اُس کے اسلاف بھی مغربی روشنائی نہ ہونے کے باعث ایک قدم بھی شاہراہ تہذیب پر نہ چل سکے وہ بھی نامہذب اور بدترین اقوام تھے۔ قدرت کو اپنی اُس پیاری قوم کی کچھ لاج رکھنا تھی ورنہ جن ملکوں نے جس سرزمین نے ہماری حکومت کو وداعی سلام کہا اگر اُس کے ساتھ ہی ہمارے علم وفضل، ہماری مذہبی حمیت وغیرہ وغیرہ کے تاریخی آثار بھی اس طرح ناپید ہو جاتے جیسے آفتاب کے ساتھ دھوپ، تب تو مغربی خیالات کے مقلدین کو قوم مسلمان کی اولاد میں ہونے کا اقرار بھی گوارا نہ ہوتا۔

عظمت رفتہ۔

جس قدر قلق یا حسرت ہم کو اپنی عزت ونیک نامی کے مٹ جانے کا ہے اُس سے کہیں زیادہ پُرحسرت یہ امر ہے کہ ہماری قوم اصلاح وفساد، مفید ومضر، ترقی وتنزل کے صحیح اندازہ،

ٹھیک جانچ پڑتال سے ایسی ہی قاصر ہے جس طرح مادرزاد اندھا آفتاب کی ادراک ماہیت سے۔ فساد کو صلاح، مضر کو مفید، تنزل کو ترقی ٹھہرا کر وہی کوشش کی جاتی ہے کہ رہی سہی عزت کا بھی خاتمہ ہوجائے۔ زمین وآسمان کا فرق ہے کہ ایک ہمارے بزرگ وہ تھے جن کی پُرتاثیر نگاہ نے تاریک دلوں میں قدرتی تجلیاں، نوری جلوے آشکار کر دیئے، ہاں ہمارے، ہی وہ اسلاف تھے جن سے ہمیشہ ہماری قوم کو افتخار رہے گا، ہمارے، ہی وہ مورث تھے جن عالی حوصلہ، بابرکت ذاتوں نے علم وفضل میں، تقویٰ وطہارت میں، عقل ودانش میں کیسا اعلیٰ درجہ حاصل کیا تھا۔ اسلامی شان، اسلامی آن وبان اُن کی نورانی صورتوں سے ظاہر تھی۔ آہ صد آہ ایک ہم ہیں کہ اپنے اسلاف کے کمالات پر بھی بٹہ لگاتے ہیں۔ نہ ہمارے پاس دولت ہے، نہ عزت، خدا کی سب سے بڑی نعمت علم دین واتباع شریعت جو وراثۃً پیغمبر مکی مدنی ﷺ سے ہم کو پہنچی تھی ہم اُس سے بالکل تہی دست اور فارغ ہو بیٹھے۔ عبرت، عبرت، عبرت ...... ہم اُن ہی اسلاف کے اخلاف ہیں جن کی جوتیوں کی خاک اونچے اونچوں کی آنکھ کا سرمہ تھی یا آج ہر ایک ہم کو ٹھکراتا ہے، ہمارا سر ہے اور ہر ایک کا پاؤں۔ جس علم کا بیج نبی کریم رؤوف رحیم (علیہ وآلہٖ وصحبہٖ واولیاء امتہٖ وعلماء شریعتہٖ من اللہ الصلوٰۃ والتسلیم) نے بویا، جس میں اُن کے سامنے شاخیں نکلیں، جس کو قرناً بعد قرنٍ ہمارے اسلاف پانی دیتے چلے آئے، جس درخت کو ہمارے اسلاف کی پامردی اور جاں فشانی نے تناور کر دیا، اُس میں پھل لگے۔ کیسا غضب ہے کہ ہماری قوم نے اُس کو کاٹ ڈالا اور پھر اس پر بھی قناعت نہیں یہ کوشش ہے کہ مبادا اُس میں دوبارہ کہیں شاخ نہ نکل آئے۔ خوب یاد رکھئے کہ وہ ضرور ایسا پھل تھا جس کی ہر وقت ہم کو ضرورت ہے، کوئی ضرورت زمانہ یا مصلحت وقت، کوئی ملکی انقلاب، کسی سلطنت کا ردوبدل ہم کو اُس سے مستغنی نہیں کر سکتا۔

اگر اس وقت اس بیان میں اس قوم کی اُس حالت کا تذکرہ کیا جائے کہ جس وقت اسلام نے عرب کی گود میں پرورش پا کر نشوونما حاصل کی تھی تو دلچسپی سے خالی نہ ہوگا اور نیز

عروج ونزول کی امتیازی حالت بخوبی ذہن نشین ہوسکتی ہے، لیکن میں نہایت افسوس کے ساتھ یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ میں اس وقت اپنے ارادہ کو پورا نہیں کر سکتا، جس قدر قلیل مہلت مجھ کو دی گئی ہے اُس کے لحاظ سے تفصیلی کیفیت تو کجا میں یہ خیال بھی نہیں کر سکتا کہ جو کچھ اس وقت لکھوں گا اُس پر اجمالی کا اطلاق بھی صحیح ہوسکتا ہے۔ میں اس وقت قوم کو نہایت مختصر الفاظ میں یہ بات سنانا چاہتا ہوں کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ اسلامی ترقی کے آفتاب نے اپنی پوری روشنی سے ایک عالم کو منور کر رکھا تھا یا اب یہ گھٹاٹوپ اندھیری چھائی ہے کہ مفید ومضر میں امتیازی حالت باقی نہیں رہی، یا تو وہ زمانہ تھا کہ دولت دین بیضا نے بیشمار چشمے فیض عام نبوت سے کھول دیئے تھے، یا اب یہ حالت ہے کہ ایسا کون ہے جو پیاسا نہ ہو، وہ ترقیاں جو بہ لحاظ اخلاق وطرز معاشرت وغیرہ وغیرہ ہوسکتی ہیں وہ سب بوجہ اتم ہمارے اسلاف میں موجود تھیں، یا آج بری سی بری خصلتوں کا مجموعہ قوم میں موجود ہے۔

کیا وہ وقت فراموش ہوسکتا ہے کہ یوروپ کے ہر آباد اور ویران گھر میں جہالت اور کمال جہالت عالمگیر تھی، یورپ کے باشندے اگرچہ شکل وصورت کے لحاظ سے نوع انسانی میں داخل تھے مگر اُن کی عادات، اُن کی صفات نے اُن کو ضرور انسانیت سے خارج کر رکھا تھا۔ اُن میں اور وحشیوں میں سرِ مو فرق نہ تھا۔ اُس وقت میں اہل اسلام علم وفضل، کمال ودانش بلکہ ہر خوبی میں ماہر کامل تھے، ملک گیری، حکمرانی میں بھی اُن کے حوصلوں کی وسعت کا یہ حال تھا کہ چشم زدن میں عرب سے لے کر ایران، توران، مصر، اسپین، پرتگال، اٹلی تک کو اُن کے فولادی پنجوں نے فتح کر لیا۔ ہندوستان جیسا زرخیز خطہ بھی اُن کے اوصاف حمیدہ، اُن کے مذہبی قوانین کا تذکرہ سن سن کر ہر وقت چشم براہ مشتاقِ دید تھا۔ اُن کے قدوم برکت لزوم کی زیارت سے وہ بھی محروم نہ رہا۔ اُس کی مراد بھی بر آئی۔ قوم اہل اسلام نے اُس میں بھی دورہ کیا۔ مدّت تک نہایت کامیابی کے ساتھ حکمران رہے۔ عدل وانصاف، رعیت پروری، مذہبی حمیت، اتباع شریعت کو اپنا دستور العمل رکھا۔ ہندوستان جیسا زرخیز ملک تھا اُس طرح جہالت وناشائستگی میں فرد تھا مگر اسلامی مصلحین نے وہاں کے باشندوں کو بھی

تہذیب وشائستگی کا خوگر بنا کر چھوڑا، جہاں رام اور لچھمن کے نامہذب تذکرے ہوتے تھے وہاں نہایت آداب وکمال تعظیم کے ساتھ مجالس متبرکہ قائم ہوگئیں۔ ہائے افسوس، وہی قوم آج عیاشی، اوباشی، نفسانیت، جہالت، ہواوہوس، آزادی، بےقیدی پر کمر بستہ ہے، نہ خدا کا خوف نہ رسول کی شرم، مذہبی قیود، دینی ضروریات سے منہ موڑے ہوئے نہایت آزادانہ زندگی بسر کرنے میں مصروف ہے۔ ہائے ایک وہ زمانہ تھا کہ ہر گرتے کو سہارا دینا اسی قوم کا فرض منصبی تھا، بحر ضلالت کے ڈوبتے ہوؤں کو بھی قوم ساحل نجات پر لاتی تھی یا آج اُسی قوم کا جہاز گرداب گمرہی میں ڈوب رہا ہے۔

اگر انصاف کشی ناحق کوشی کی نہ ٹھہرے تو تھوڑے غور میں نہایت توضیح کے ساتھ سمجھ میں آسکتا ہے کہ قدرت کی تمام پسندیدہ صفات ہمارے اسلاف میں ایسی جاگزیں تھیں کہ اس گئے گزرے زمانہ میں بھی مخالف قومیں اُن سے سند لاتی ہیں۔

اسلامی اتحاد واتفاق۔

آپس میں اتفاق تھا تو اس درجہ کا مستحکم و مضبوط جس کو بجز اختلاف مذہبی کے اور کوئی حملہ نہ توڑ سکے۔ اصول مذہبی نے اُن کی طبعی جنبشوں میں وہ خاموشی پیدا کردی جس کا خیال خطرہ بن کر بھی دل میں نہ آسکتا، اُن کی صدیوں کی لڑائی جواُن کے سخت دلوں پر کالنقش فی الحجر تھی حرف غلط کی طرح چھل گئی۔ موروثی جھگڑے، پشتینی عداوتیں، چشم زدن میں دور ہو کر خالص محبت سے بدل گئیں۔ اُن کی زندگانی کے صحیفے مہیب اور خطرناک وقائع سے ایسے خالی تھے جس کی نظیر کسی قوم میں نہیں پائی جاتی۔ قدرت نے تمام قوم اہل اسلام میں ایک ہی روح رکھی تھی گویا ساری قوم کی ترکیب سے ایک خاص مزاج ہوا تھا۔ سچے مذہب کی کامل پیروی کے زبردست اثر سے ان کے باہم ایسا محکم پیوند تھا کہ ایک شخص کے کسی عضو میں ذراسی جنبش سے فوراً سب کو تحریک ہوجاتی۔ خدا کے محبوب پیغمبر محمد عربی ﷺ نے دنیاوی تعلقات کے علاوہ اُن کے درمیان ایک روحانی رشتہ قائم کردیا جو ایک حبل المتین اتباع شریعت سے مضبوط تھا۔ تمام دنیاوی علاقے، کل ظاہری رشتے اس

روحانی اور ایمانی رشتہ نے بے قدر کر دیئے۔ معمولی سمجھ کا آدمی بھی ادنیٰ غور میں سمجھ سکتا ہے کہ آج تک جو بڑے بڑے واقعات دنیا میں گذرے جن کا پتہ پرانی تاریخیں دیتی ہیں جن کو سن کر ایک غیر معمولی اثر ہمارے دلوں پر پیدا ہوتا ہے، کیا وہ واقعات اتفاق کے نہ ہونے پر بھی ظہور میں آسکتے تھے، نہیں ہرگز نہیں۔ جس زمانہ میں جس ملک میں جس قوم میں کچھ ترقی ہوئی وہ صرف اتفاق کی برکت و بدولت ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جس قوم میں اتفاق کا وجود تسلیم کیا جائے اُس کے کسی دو متنفس کے باہم کسی وقت میں اختلاف نہیں ہوا۔ حضرات یہ وہ اختلاف ہے جو قومی اتفاق میں مخل نہیں ہوسکتا حضرت شیر خدا مولا علی مشکل کشا کرم اللہ وجہہ اور جناب حضرت امیر معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ میں جو شکر رنجی ہو پڑی اُس کا واقعہ ضرور ہمارے پیش نظر ہے۔ کیا اُس خانگی جھگڑے باہمی نزاع کا یہ اثر متصور تھا کہ کوئی ثالث اُن دونوں میں سے ایک کو آنکھ اُٹھا کر دیکھے اور دوسرا چپکا بیٹھا رہے۔

اس وقت کو شاہ روم نے غنیمت اور اپنی دانست میں اپنی کامیابی کا عمدہ موقع اور آسان ذریعہ خیال کیا۔ حضرات مولیٰ کے مقابلہ کا خیال اُس کے سودائی دماغ میں سمایا۔ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُس کو وہ زبردست ڈانٹ پلائی کہ اُس کے ہوش جاتے رہے، صاف کہلا بھیجا کہ ''او مردک بجائے خود باش، تیرا منہ ہے کہ تو بولے یہ سرکاروں کی باتیں ہیں تو اور مولیٰ علی کی خلافت و امارت حکومت و سلطنت میں خلل اندازی کر سکے یا تیری منحوس کمک سے میں اُن کا مقابل بنوں ایں خیال است و محال است و جنوں۔ مولیٰ علی کی طرف سے جو پہلا سپاہی تیری سرکوبی کو روانہ ہوگا وہ معاویہ کے سوا دوسرا نہیں ہوسکتا''۔

اتحاد و اتفاق کا نتیجہ -

حضرات آپ یقین کیجئے کہ اگر کامل اتحاد و اتفاق، پوری یکجہتی و یگانگت میں وہ قوم بے نظیر ثابت نہ ہوتو اپنی ظاہری قوت سے وہ نامور ترقیاں، قابل قدر کامیابیاں یقیناً ناممکن

الوقوع تھیں۔ اُن کے بڑھتے ہوئے ارادے، وسیع حوصلے اتفاق ہی کی پشتی سے زبردست تھے۔ ہاں غور کرنے کی بات ہے کہ وہ قوم جونگی بھوکی ہو، وہ قوم جس نے کبھی اپنے گھر سے باہر قدم نہ نکالا، وہ قوم جس کے پاس مال و دولت کا کوئی سرمایہ نہ ہو، نہ اپنی جسمانی طاقت و قوت میں جو قوم منتخب روزگار ہو، جَو کی روکھی روٹی یا سوکھی کھجوریں جس کی غذا ہو، جس کے پاس بجز ٹوٹی پھوٹی زنگ خوردہ تلواروں کے کوئی ساز و سامان جنگ موجود نہ ہو، وہ قوم جس کی رسد یہ ہو کہ اگر کچھ مل گیا تو ٹکڑا ٹکڑا بانٹ لیا اور اگر یہ بھی میسر نہ ہوا تو نہایت خوشی اور صبر و تسلیم کے ساتھ تمام رات یادِ الٰہی میں گزار دی، وہ قوم جس کے قلعے گھوڑوں کے زین تھے، صبر زادِ راہ تھا، بچھونا اُن کا زمین، سائبان اُن کا آسمان تھا۔ وہ قوم جو مدینہ کے نخلستان سے نکل کر روم و شام، عراق و فارس میں پھیل گئی، وہ قوم جس کی بدولت ہم کو یہ شرف حاصل ہے کہ ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، وہ قوم جس کی چلتی ہوئی تلواروں نے قیصر و کسریٰ کے منھ پھیر دیئے، وہ قوم جس نے ہندوستان جیسے دور دراز ملک پر فوج کشی کرنا کوئی مشکل کام نہ جانا، وہ قوم جس کو ہندوستان فتح کرنے میں انواع و اقسام کی سختیاں جھیلنا پڑیں مگر واہ ری پختگی کہ اپنے ارادہ سے باز نہ آئی۔ اس دارالشرک کو اسلام آباد بنا کر ہی چھوڑا۔ حضرات یہ کامیابیاں جو اس مویّدمِنَ اللّٰہ قوم کو حاصل ہوئیں، ان نامور ترقیوں میں اسی اتفاق نے اُس کی کمک کی ہے۔ اسی قومی اتفاق نے قوم میں اعلیٰ سے اعلیٰ جوہروں کی تولید کر دی تھی، اُن کے محمدی طرزِ معاشرت نے اُن کی اولاد کے لئے ایسا اسکول بنا دیا تھا کہ بچہ ہوش سنبھالتے ہی قوم کا سچا خیر طلب، قوم کا فریفتہ، قوم پر جان دینے والا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ ہاں اسی قومی اتفاق نے اُن کے حوصلوں کو فراخ، قویٰ کو ورزشی، ہمتوں کو بلند کر دیا تھا۔

بڑوں کا ادب۔

ادب اگر ملحوظ تھا تو من لم یوقر کبیرنا فلیس منا (جس نے اپنے بڑے کی تعظیم نہیں کی وہ ہم میں سے نہیں، الحدیث) کے مفہوم کو ہر وقت نظر رکھے ہوئے، اگر اُس وقت پر نظر ڈالئے کہ جب آفتاب نبوت کامل آب و تاب کے ساتھ وسط سما پر جلوہ آرا تھا، اُس

وقت کی نظیریں تو اس کثرت سے ملتی ہیں جن کا حصر نہایت مشکل کام ہے اور اگر غور کیجئے تو اُس درجہ کا ادب ہم سے ہو بھی نہیں سکتا کہ نزدیکان رابیش بود حیرانی۔ دربار رسالت کا ادب جو اُس مقبول قوم کا شیوہ تھا جس کو اصحاب محمد رسول اللہ کہتے ہیں، اُس کی نظیر تو اُن کے سوا اور کہیں مل سکے یہ غیر ممکن امر ہے۔ نمازیں قضا کر دیں، گھر کو بے نور کیا، جان پر کھیل کر جان قضا کے حوالے کر دی لیکن کیا مقدور کہ سرِ مو آداب دربار مقدس میں فرق آ سکے۔ شرف باریابی کے وقت یوں مؤدب حاضری دیتے جیسے کسی کے سر پر پرندہ بیٹھا ہو اور وہ اس کو پکڑنا چاہے۔ آٹھ پہر کی حضوری اور اُس کان کرم بحر عطا کی وہ عام اور وسیع رحیمی وکریمی کہ جس بڑھیا نے ہاتھ پکڑ لیا اُس کے کام کو موجود، مگر رنج میں خوشی میں، کسی حالت میں بھی کمال ادب ملحوظ نہ رہے یہ ہرگز نہ ہوا۔ اُس زمانہ سے قطع نظر کرنے کے بعد بھی صدیوں تک ہماری قوم نے بزرگان قوم کی بجا آوریٔ ادب میں جو کچھ ڈگریاں حاصل کی ہیں وہ بھی یادگار زمانہ ہیں۔

والدین کا لحاظ-

جوان بیٹے، ہونہار بیٹے، فخر قوم بیٹے اپنے مسلوب الحواس باپ، نکمّے باپ کا وہی ادب کرتے جو ہر ایک اُس شخص پر فرض ہے جو آپ کو محمد رسول اللہ ﷺ کی امت میں شمار کرے۔ اگر ماں باپ نے اول شب میں پانی مانگا اور فوراً آنکھ لگ گئی تو کیا صالح بیٹا صبح تک پلنگ کے پاس پانی کا گلاس لئے نہ کھڑا رہا، اگر کسی نادار ماں کے دل میں کعبۃ اللہ کی زیارت کے شوق نے پاؤں پھیلائے تو غریب بیٹا اپنے کاندھے پر بٹھا کر پیادہ پا چل دیا، ماں باپ کی بے جا زیادتیاں بیٹے کے دل پر یہ اثر نہیں پیدا کر سکتی تھیں کہ نافرمانی کر سکے۔

استاذ کا ادب-

جس سے ایک حرف سیکھ لیا اُس کے زرخرید غلام ہیں۔ تاجدار انا مدینة العلم و علی بابها کے فرمان مقدس من علمنی حرفا (حضرت علی کا فرمان ہے جس نے مجھے ایک

حرف سکھا دیا میں اس کا غلام ہوں) الخ کو کس کان نے نہ سنا اور کس دل نے نہ قبول کیا۔

حضرات! للہ انصاف سے فرمایئے کہ اُستاد کیا چیز ہے؟ ہاں وہ اُستاد ہے جس کی غلامی، خیالات میں سنجیدگی، دماغ میں صفائی ہر بڑی سے بڑی ترقی کے حصول کی استعداد پیدا کر دیتی ہے۔ جہالت کی زنگ جس سے جو ہر آئینہ دل دھندلا ہو جائے اُس کو اُستاد کی صیقل گری کے سوا اور کون ہے جو صاف وشفاف بنادے، تاریک اور پُرخطر گھاٹیوں سے بچاتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچا دینا استاد ہی کی رہبری کا کام ہے۔ ہاں وہ استاد ہی ہے جس کے فیض تعلیم سے انسان اپنی زندگانی کی معراج پر پہنچ سکتا ہے۔ پھر ذرا سوچئے تو سہی کہ ایسا اوندھی عقل کا کون تھا جو ایسے اپنے شفیق مہربان محسن کی دلسوزی کا شکریہ نہ ادا کرتا۔ وہ متبرک ذاتیں جن کی یاد میں زمانہ مدتوں تک رویا کرے گا، وہ مقدس اور ملکوتی صفات جن کے کمالات تاریخی دنیا میں بکثرت پائے جاتے ہیں، موافق ومخالف سب کے نزدیک اپنے اساتذہ سے افضل و اعلیٰ مسلم ہیں اور نیز بے نفس پاک طینت اساتذہ کرام نے اُن کی افضلیت، اُن کے علومرتبت کا عام مجامع میں اقرار کیا، لیکن تاہم وہ حق شناس، نورانی دماغ شاگرد رشید ہمیشہ اُستاد کو اُسی نگاہ سے دیکھتے جس طرح ایک ادنیٰ شاگرد کو اپنے اکمل وافضل اُستاد کے کمالات، اُستاد کے حقوق پر نظر رکھنا چاہیے۔ حجۃ الاسلام امام غزالی اُستاد ہی کی شان رفیع کا یہ اعلان دیتے ہیں حق المعلم اعظم من حق الوالدین حق اُستاد کا شاگرد پر ماں باپ کے حق سے زیادہ ہے اور کیوں نہ ہو کہ ہر بھدّے خیال اور مٹیلی طبیعت کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ باپ بیٹے کے وجود ظاہری اور ایسی حالت کا ظاہری سبب ہے جس کا ثبات یقیناً ناممکن۔ اُستاد کی تعلیم شاگرد کو اُن امور کی طرف متوجہ کرتی ہے جن پر عمل کرنے سے شاگرد کو نعم اُخرویہ سے متمتع ہونے کا کافی موقع ہاتھ آئے۔ ہماری ہی قوم کو یہ فخر حاصل تھا کہ اُستاد کے لئے جان سے مال سے کوئی دریغ نہ تھی۔

ادب مرشد-

ہاں ہاں، یہ عظیم دولت اسی نامور قوم کے ساتھ مخصوص تھی کہ جس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا

اور اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر رنج وخوشی میں اُس کے تابع حکم ہوگئی۔ ہاں وہ ہمارے ہی اسلاف تھے کہ دنیاوی اور دینی معاملات میں شیخ کو اپنا ایسا حاکم بنادیتے جس طرح مردہ غسال کے ہاتھ میں۔ ماہرین فن تواریخ پر ظاہر ہے کہ ایک وقت میں ہماری قوم شیخ طریقت کے ادب، اُس کے اتباع میں ایسی نامور تھی کہ کیا مجال جو شیخ کی مرضی بغیر دم تو ماریں، یہ بات مانی ہوئی ہے کہ عقل انسانی پر اس عالم شہادت میں بہت سے ایسے پردے پڑے ہوئے ہیں جن کے حائل ہوجانے سے دربارِ قدرت میں توجہ ہونا مشکل اور نہایت مشکل کام ہے۔ شیخ کامل جس کی تربیت جس کی تکمیل عالم غیب سے ہوچکی اُس کا نورانی دل ہر دم ہر لحظہ ہر حال میں اُسی کی طرف متوجہ، اُسی کی طرف لو لگی ہے۔ قدرتی فیوض سے اُس کا گنجینۂ سینہ مالا مال ہے۔ مرید جس قدر قوی رابطہ شیخ کے دل کے ساتھ پیدا کرے اُسی مقدار تک نورِ عرفان کی چمک مرید کے دل میں اپنی جھلک دکھا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکابر اپنے شیخ طریقت کے ادب اُس کے اتباع میں حلاوت ایمانی کا مزہ پاتے تھے۔ ہاں ہاں جس کو جو ملا، جس نے کچھ پایا پیر کے ادب سے پایا، پیر کی محبت، پیر کی اطاعت ہمارے ہی اکابر کے رگ وریشہ میں سرایت کئے ہوئے تھی، ہاں ہاں ہمارے ہی اکابران اشعار کے مصداق ہیں

ما از جناب پیر کلاہی گرفتہ ایم	وز شہر ہر دو کون پناہی گرفتہ ایم
مار است زیں کلاہ کلہ گوشہ بر فلک	زیں تاج فقر شوکت شاہی گرفتہ ایم
الحق یکی است پیر پرست و خدا پرست	انکار ایں عقیدہ گناہی گرفتہ ایم
مائیم و آستانۂ پیر و سر نیاز	زیں مکنت ووجاہت وجاہی گرفتہ ایم
مارا بس است پیر خدا و رسول را	بر صدق ایں مقال گواہی گرفتہ ایم

ہاں ابو القاسم گرگانی اسی قوم کی یادگار ہیں جن کا یہ مقولہ ہمیشہ یادگار زمانہ رہے گا کہ کاش

مجھے کوئی ایسا ملے جو اپنے بدن کی کھال مجھ کو اُتار کر دے دے، اُس کھال میں گھاس بھر کر شارعِ عام پر لٹکادوں تاکہ قوم اچھی طرح سمجھ لے کہ مریدی اس پختگی کا نام ہے۔

محبوب الٰہی کا ادب مرشد۔

دور کیوں جایئے اپنے پاس ہی دیکھئے، اپنے گھر میں ملاحظہ فرمایئے کہ بہت سی نظیریں ہمارے دعوٰی کی تائید میں نہایت آسانی کے ساتھ مل سکتی ہیں۔ گردونواح کے قوم ہنود میں شاید ہی کوئی شاذونادر ایسا ہوگا جس کو ہمارے مقدس آیۃ الذکر ممدوح کی تعظیم وتکریم، ان کا علومرتبت، اُن کی قدرومنزلت اپنے بڑے سے بڑے دیوتا سے زیادہ نہ ہو، باقی ہماری قوم کو اُس مجسم نور کے وجود سے جوفخر وشرف حاصل ہے باسباب ظاہر اُس سے زیادہ غیر متصور۔ وہ کون ہے جس نے فخر بدایوں حضرت شیخ المشائخ سید نظام الدین محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ کا ذکر مبارک نہ سنا ہو۔ یہ فخر قوم، یہ مصلح قوم، یہ ہمدرد قوم ایک روز حسب معمول مسند ارشاد پر جلوہ آرا تھے اِدھر اُدھر مستفیدین و مستفیضین اس طرح حلقہ کئے بیٹھے تھے جیسے چاند کے اردگرد تارے، دریائے فیض موجزن تھا، تشنگان آب رحمت کی بن آئی تھی، قدرتی خزانے کھلے ہوئے تھے، مانگنے والے اپنی خالی جھولیاں گوہر مراد سے بھرنے میں مشغول، کہ کسی فوری تحریک نے حضور اقدس کو نہایت اضطراب کے ساتھ کھڑا کر دیا اور کچھ عرصہ تک قیام فرما کر پھر جلوس کیا، اس اچانک اور بلا سبب کھڑے ہو جانے سے حاضرین کو نہایت تعجب پیدا ہوا، مختلف خیالات نے ہجوم کیا، جیوں جیوں اس عقدہ کے سلجھانے کی کوشش کی گئی اور زیادہ پیچیدگیاں بڑھتی گئیں بالآخر ضبط نہ ہو سکا، مقربین بارگاہ جو مزاج داں اور منہ چڑھے تھے مرضی پاکر اُن میں دریافت حال کی جرأت ہوئی عرض کیا کہ ہماری نارسا عقل نہیں سمجھ سکتی ہیں کہ اس وقت بلاسبب یہ کس کی تعظیم کو نہایت ادب کے ساتھ قیام فرمایا گیا ارشاد مبارک ہوا کہ ''مابدولت تم سے ہم کلام تھے کہ سامنے سے ایک کتّا گزرا، کتّا وہ ضرور تھا مگر اُس کی صورت اُس کے کتے سے ملتی جلتی تھی جو شیخ کی خانقاہ میں آیا کرتا تھا''۔ اللہ اللہ کیا شان محویت ہے، کس درجہ کا ادب ہے، خیال تو کیجئے کہ اگر وہی کتّا ہوتا تو

نہ معلوم کیا کیا مراتب تعظیم و تکریم ادا کئے جاتے جس کو کچھ بھی عقل سے لگاؤ ہے وہ دریافت کر سکتا ہے کہ ان حضرات کی نگاہ میں شیخ کی کس قدر وقعت تھی اور کس درجہ ادب ملحوظ تھا۔

محبوب الٰہی اور ایک قلندر۔

ان ہی بادی قوم کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک روز پالکی پر سوار ہو کر شہر میں برآمد ہوئے، اتفاقیہ ایک کہار راستہ میں کسی وجہ سے ایسا بے طاقت ہو گیا کہ اگر فوراً اُس کو ہٹا کر ڈنڈا نہ لیا جائے تو پالکی مبارک ضرور ہی زمین پر آ رہے۔ سر راہ ایک آزاد منش قلندر صاحب کھڑے ہوئے یہ ماجرا دیکھ رہے تھے، جلدی سے جھپٹے اور کہار کو ہٹا کر اس صفائی سے اپنا کاندھا دے دیا کہ معمولی رفتار میں ذرا فرق نہ آیا۔ جب سواری منزل مقصود پر پہنچی، قلندر کی طرف اشارہ فرما کر استفسار ہوا کہ ہمارا کہار کہاں رہا؟ اور یہ کون شخص ہے؟ اور کہاں سے ہمراہ ہوا؟ خدام بارگاہ نے سرگزشت سنائی، قلندر کا ادب اس کا حسن عقیدت، اُس کی خدمت، اُس کا خلوص اُس بادشاہ کرم کے دربار میں پسند آیا، پھر کیا تھا، ایک نظر اُٹھا کر دیکھنا تھا کہ کچھ سے کچھ ہو گیا۔ وہی آزاد منش قلندر مرتبۂ کمال ولایت کو پہنچ گئے، حالت طاری ہو گئی، بقول شخصے دیوانہ جو نہ کرے وہ تھوڑا ہے، ناچنے کودنے لگے، بے ساختہ چیخ اُٹھے کہ ہاں ہاں میرے پیر کے فیض نے مجھ غریب کو آج مالا مال کر دیا۔ ہاں یہ اثر یہ کرشمہ میرے پیر کی نگاہ فیض کا ہے۔ سبحان اللہ کیسی نوازش میرے پیر نے مجھ نالائق مرید پر فرمائی۔ قربان اس دستگیری کے کہ چشم زدن میں کہاں سے کہاں پہنچا۔ قلندر کی یہ تقریر خدام کرام کو نہایت ناگوار معلوم ہوئی، سمجھانے لگے کہ او بے ہوش بہ ہوش باش یہ کس کے سامنے بڑھ بڑھ کر باتیں بناتا ہے، کیا تیری حقیقت ہم سے پوشیدہ ہے، اپنی حیثیت کو کیوں بھول گیا؟ قلندری دکھانے کو ہم ہی رہ گئے ہیں۔ کیسے تیرے پیر اور کیسی تیرے پیر کی دستگیری، ہماری آنکھوں کے سامنے کا یہ واقعہ نہیں ہے، ہاں ہاں یہ تاثیر اُس زبردست موثر قوت کی ہے جو ہمارے شیخ سید نظام الدین بدایونی محبوب الٰہی کی نظر میں ہے۔ یہ کرشمہ اُسی دزدیدہ نگاہ کا ہے، قلندر نے جواب دیا، بھائیو! تم کو اختیار ہے خواہ مجھ پر نفریں کرو یا مجھ کو نصیحت کرو، میں

کب کہتا ہوں کہ تمہارا بیان غلط ہے، تم ہی سچے سہی اور ضرور سچے ہو لیکن یہ غور بھی ضروری ہے کہ بے سبب شیخ المشائخ کیوں میری طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے لگے تھے، اُن کو میری خاطر کیا عزیز تھی، پہلے میں اپنے شیخ کا منظورِ نظر ٹھہرا لیا تب شیخ المشائخ نے بھی عنایت فرمائی، شیخ المشائخ نے مجھ غریب قلندر کے خراب حال پر جو کچھ توجہ فرمائی یہ میرے اُسی خلوص اور ادب کا ثمرہ ہے جو مجھ کو اپنے شیخ کے ساتھ حاصل ہے۔ پھر میں کیا غلط کہتا ہوں کہ یہ سب میرے پیر کا طفیل ہے، قلندر کا صاف اور سچا بیان اُس کی سچی اور کامل عقیدت مندی، اُس کی راسخ الاعتقادی، اُس کا پیر کے ساتھ قوی تعلق اور سچا لگاؤ سرکار محبوبیہ کو نہایت بھلا معلوم ہوا، خدام بارگاہ سے خطاب فرمایا کہ قلندر کے کیوں سر ہوتے ہو، وہ سچ کہتا ہے، تم سب کو اُس کی پیروی لازم ہے۔ پیر پرستی از ین قلندر بیاں موزید۔ نیز حضرت موصوف کے حالات میں لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ کو اپنے شیخ الطریقہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک تک جانا گوارا نہ تھا، روضہ مقدسہ کے آستانہ پر پہنچ کر چوکھٹ پر سر رکھ دیتے اور وہیں سے فاتحہ پڑھ کر معاودت فرمادی جاتی اور یوں ارشاد ہوتا کہ نظام الدین کو شرم آتی ہے کہ اس ناپاک سراپا کو لے کر کیوں کر دربار مقدس میں حاضر ہو۔

اتباع -

حضرات! اب آپ بخوبی سمجھ گئے کہ بزرگان قوم کا ادب باپ ہو یا اُستاد یا پیر ہو کس درجہ ہمارے اسلاف ملحوظ رکھتے تھے۔ شریعت کا ایسا پاس تھا کہ رفتار میں، گفتار میں، کھانے پینے میں، نوکری چاکری، تمام دنیاوی امور، جملہ دینی طاعات وعبادات میں قانون ملت محمدیہ (علیٰ صاحبہا التسلیم والتحیۃ) پر پورا پورا کما ینبغی عمل تھا۔ قانون محمدی کی اُن کی اسلامی نگاہ میں وہ قدر و وقعت تھی کہ بغیر اُس کی کامل پیروی کے اُن کے دل کو قرار جان کو تسکین نہ تھی۔ نہایت گرم جوشی اور کمال مستعدی کے ساتھ قوم کا سردار، قوم کا امیر، احکام شریعت کی تعمیل اسی طرح ضروری سمجھتا جس طرح مسجد اور حجروں کے بیٹھنے والے، کتنا ہی

سن رسیدہ اور بڈھا کیوں نہ ہو مگر اس کا جوان دل شریعت کی امنگوں سے لبریز رہنا ضروری تھا، کتب تواریخ کا مطالعہ ہم کو صاف ہدایت کرتا ہے کہ وہ قوم جو اپنے قوانین مذہبی کی تعمیل میں تمام دنیاوی اقوام پر ترجیح رکھتی ہو وہ بھی قوم مسلمان ہے، قانون قدرت کے تسلیم و تعمیل میں بیٹے کو باپ کی، غلام کو آقا کی اجازت ضروری نہ تھی۔ احکام شریعت کو دائمی اور نا قابل منسوخی سمجھ کر اپنا رہنما بنایا تھا، وہ قومیں جن کو اہل اسلام کے ساتھ ضدیت تامہ کا مرتبہ حاصل ہے وہ بھی ہمارا لوہا مانے ہوئے ہیں کہ مسلمان جیسی قوم اپنے اصول مذہب پر پختہ اور چست و چالاک آج تک کوئی دیکھی سنی نہیں گئی۔ نماز، روزہ و دیگر فرائض کا تو کیا مذکور، سنن و مستحبات کی بجا آوری میں ہمارے ہی اکابر ضرب المثل تھے۔ شریعت کے مقابلہ میں، تائید شریعت میں جان لڑا دینا معمولی کام تھا۔ ہاں یہ فخر اسی قوم کو حاصل تھا، شریعت کی تعمیل میں کسی کی خصوصیت نہ تھی، وجاہت و امارت کسی کو مستثنیٰ نہیں کر سکتی تھی، کتنا ہی لائق فائق بیٹا کیوں نہ ہو لیکن اگر بمقتضائے بشریت کسی گناہ کا اُس سے ارتکاب ہو گیا تو وہی چاہنے والا باپ، ہزاروں ناز اُٹھانے والا باپ، اُس چہیتے بیٹے کے حق میں ایک سنگدل جلاّد سے کم نہیں۔ ہاں اسی قوم میں شریح نامی ایک قاضی تھے امیر المومنین کے بیٹے کی گواہی امیر المومنین کے حق میں نا مفید اور غیر قابل وثوق سمجھ کر امیر المومنین کے خلاف فیصلہ کیا۔ ہاں یہ وہی قوم ہے جس کو ظالم بادشاہ کے خوف سے احکام شریعت کے اظہار میں خاموشی قبول نہ تھی۔ امر حق کے اظہار میں کبھی کوتاہی نہ کی۔ غصیلے بادشاہ، جابر و ظالم بادشاہ کے روبرو تبلیغ احکام شرع کے جرم میں مارے جانے کو یہی قوم کمال درجۂ شہادت سمجھتی تھی۔ وہ کونسی سخت سے سخت مصیبت تھی جس کی برداشت ان کو ھنیئاً مریئاً نہ ہو۔

حضرت حطیط اور حجاج

حطیط زیات اسی قوم کی ایک نامور یادگار ہیں، مؤرخین نے ان کے حال میں لکھا ہے کہ ایک روز یہ حجاج کے دربار میں حاضر کئے گئے۔ حجاج نے کہا کیوں جی تمہارا ہی نام حطیط ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا ہاں میرا نام حطیط ہے جو کچھ تجھ کو مجھ سے دریافت کرنا

ہے وہ دریافت کرلے؟ میں اپنے خدا سے عہد کر چکا ہوں کہ انشاء اللہ کبھی کوئی لفظ غیر واقعی زبان سے نہ نکالوں گا۔ حجاج نے کہا مجھ کو تم کیسا سمجھتے ہو؟ حطیط نے جواب دیا کہ تیری نسبت میرا سچا اور واقعی خیال یہ ہے کہ تو اُس گروہ میں داخل ہے جس کو دشمن خدا سے تعبیر کرتے ہیں۔ شریعت مطہرہ کی ہتک شب و روز تیرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، مجرد اپنی خام خیالی پر بندگان خدا کی جانیں ضائع کر دینا تیرا معمولی کام ہے۔ حجاج نے کہا خیر میرا ذکر چھوڑیئے یہ بتایئے کہ امیر المومنین عبدالملک کا کیا حال ہے؟ اُس کو کیسا جانتے ہو؟ حطیط نے کہا اُس کا کیا حال پوچھتا ہے، اسی قدر سمجھ لینا کافی ہے کہ اگر تو ایک درجہ گناہ گار ہے تو وہ تجھ سے ہزار درجہ بڑھ کر، تو وزیز ہے اور وہ تیرا شہریار، تیرا ناپاک وجود اُس کی بے شمار خطیات میں سے ایک خطا کا نمونہ ہے۔ حجاج یہ صاف اور سچا بیان سن کر آگ بگولا ہو گیا، آتش تعصب اُس کے سینہ میں بھڑک اُٹھی۔ جلّادوں کو حکم دیا کہ کیا دیکھتے ہو، اس زبان دراز، بیباک و گستاخ کی سزا دہی میں کیوں تامل ہے؟ اس کے بدن سے روح نکالنے میں کیا دیر ہے؟ حکم کی دیر تھی کہ جلّاد بد نہاد نہایت قساوت اور ناخدا ترسی کے ساتھ خدا کے مقبول بندہ کے درپے ہو گئے۔ وہ کون سا ظلم ہے جو مخدوم و مرحوم حطیط سے اُٹھا رکھا گیا ہو، موچنوں سے کھینچ کھینچ کر گوشت باندھا گیا۔ ہاتھ پاؤں مضبوط رسیوں میں جکڑ دیئے، بوٹی بوٹی کر کے تمام بدن کا گوشت جدا کیا، مگر واہ رے جواں مرد تیرا صبر اور استقامت کہ وہ تکلیف جس کی برداشت انسانی قوت سے باہر ہے جھیلی اور دم نہ مارا، اُف نہ کیا۔ جب یقین ہو گیا کہ اب گھڑی ساعت کے مہمان ہیں اُس سسکتے ہوئے کو نزع کی حالت میں شارع عام پر ڈال دیا چونکہ قدرت کو منظور تھا کہ ہمارا پیارا، ہمارا مشتاق لقا حطیط ہر وقت ہمارے دربار تقرب میں حاضر رہے۔ شروع جوانی یعنی اٹھارہ برس کی عمر میں نہایت استقلال اور کمال ثابت قدمی کے ساتھ اپنی وفاداری اور جاں نثاری دکھا دی، اللہ اللہ کہتا ہوا اپنی استقامت اور اتباع شریعت کا تذکرہ یادگار چھوڑ گیا۔

تصوف۔

یہی قوم تصوف جیسی بیش قیمت نعمت سے اگر فیضیاب تھی تو اس طرح کہ مرتے مرتے کوئی دم ایسا نہ گزرا جس میں یادالٰہی سے غفلت ہو سکے۔ اُن کی پاک صورتیں نورانی چہرے قدرت کے صفات کمالیہ کے پورے فوٹو تھے۔ مبالغہ نہیں، آنکھوں دیکھی، ہزار بار کی گزری ہوئی ہے کہ اُن کی آنکھ میں یہ محمدی اعجاز تھا کہ اگر کافر کو بھی گوشۂ چشم سے دیکھ لیا اُس کا سوتا ہوا نصیبہ جاگ اُٹھا۔ جس دل کو کفر و شرک کے غلیظ غبار نے دھندلا کر دیا تھا اُس میں نور معرفت کی بڑھتی ہوئی شعاعیں پیدا ہو گئیں۔ روافض و خوارج کا توبہ کرنا یہ تو کوئی بات ہی نہ تھی، ہاں اسی قوم میں وہ صوفی صافی مشرب گزرے ہیں جن کو دنیا سے ذرا لگاؤ نہ تھا، قدرت کے ناپسندیدہ افعال، جملہ خطیات و تمامی گناہوں کا اصل اصول یعنی دنیا کی محبت اُس سے کوسوں دور بھاگتے، اسی قوم کو یہ فخر حاصل تھا کہ اُن کی مشام جاں نسیم محبت اور وصال الٰہی کے ٹھنڈے اور پیارے جھونکوں کی بھینی بھینی خوشبو سے بسے ہوئے تھے **الدنیا جیفة و طالبها کلاب** کے حقیقی معنی کو ہمارے ہی موروثوں نے سمجھا تھا، دنیاوی جاہ و منزلت، دنیاوی ترقی کو اسی قوم کے صوفی عذاب الٰہی جانتے تھے۔ امراء کی حاضر باشی، رئیسوں کی دربار داری، حکام کی خوشامد، چاپلوسی کو اسی قوم کے صوفی سم قاتل سمجھتے تھے۔ شب و روز میں ایک لحظہ بے وضو نہ رہنا ہمارے ہی پاک باطن صوفیہ کا ضروری کام تھا، ہماری ہی قوم میں ایک معزز نامور صوفی شیخ بینا تھے جن کے مشرب میں ایک پہلو سے دوسرا پہلو بے وضو بدلنا صوفی کو حرام تھا، ہاں اسی قوم کے وہ صوفی حق پرست تھے جن کے لئے نامور ترقیاں حاصل ہونا اور اعلیٰ درجہ کا تقرب الٰہی حضور قلب سے نماز پڑھنے پر منحصر تھا، ہاں وہی صوفی اس قوم کے سرتاج تھے کہ فاقہ کتنی کچھ تکلیف کیوں نہ پہنچائے، مال حلال سامنے رکھا رہے مگر جب تک مال طیب نہ ملے ایک دانہ منھ پر نہ لیجائیں، ہاں وہی صوفی قوم کے فخر تھے جو دن کو روزہ رکھتے اور تمام رات خدا کی عبادت میں کاٹ دیتے۔ ہاں اسی قوم میں وہ صوفی گزرے ہیں جنھوں نے علم جیسے حجاب سے آگے بڑھ کر دربار قرب میں باریابی کا شرف حاصل کیا۔

اہل طریقت کا ارباب شریعت سے میل۔

اہل طریقت ارباب شریعت سے اس طرح ملتے جیسے ایک بھائی دوسرے اپنے چہیتے بھائی سے ملے۔ علوم ظاہریہ دینیہ کی وقعت اُن کی منور اور حق بین نگاہ میں اس درجہ سمائی ہوئی تھی کہ علماء شریعت کو اپنا مذہبی پیشوا سمجھتے تھے۔ پکار پکار کر کہتے کہ بغیر اتباع قوانین شریعت کے وصول الٰہی ناممکن الوقوع، اس راہ کے چلنے والے، اس دربار کے تقرب چاہنے والے کو راہ شریعت کے سوا دوسری راہ نہیں مل سکتی۔ تجلیات قرب کا مشاہدہ بغیر توسل قوانین شریعت کے ہو سکے یہ محال ہے۔ اُن کا پہلا ارشاد پہلی ہدایت یہی تھی کہ ہاں میاں اگر تمہارے بڑھتے ہوئے ارادوں میں یہ ترقی پیدا ہے کہ تم میں یہ قابلیت پیدا ہو جائے کہ دوسرے تمہارا اتباع کریں تم کو اپنا مقتدا سمجھیں تو پہلے علم دین سیکھو، کلام الٰہی اور حدیث نبوی کے معانی ظاہریہ و باطنیہ کی تحصیل میں جان لگا کر کوشش کرو۔ حضرات یاد رکھنے کی بات ہے کہ اس عالم میں یہ بھی ہوا ہے کہ وہ حضرات جن کو ابتداء شعور سے کسی کی شاگردی کا اتفاق نہ ہوا، جن پر جاہل مطلق ہونے کا اطلاق کیا جاتا تھا لیکن قدرتی طور پر ملک وملکوت کے مشاہدہ سے بھی اُن کی تیز نظر نہیں جھجکتی۔ وہ ولی اور مخصوص بارگاہ ضرور ہیں لیکن اُن کی پیروی ہم پر لازم نہیں، بلکہ اُن کی پیروی نہ کرنا لازمی اور ضروری امر ہے۔

مزید وضاحت کے لئے اس مطلب کو ایک موٹی مثال کے پیرایہ میں بیان کرتے ہیں، ایک شخص اپنے گھر سے دوسری جگہ جانا چاہتا ہے، اگر اُس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر منزل مقصود تک پہنچا دیا جائے تو اُس کا منتہا خواہش ضرور حاصل ہو گیا، مگر چونکہ آنکھوں پر پٹی بندھی تھی لہٰذا وہ کسی کی رہبری نہیں کر سکتا، ہاں جو شخص دیکھ بھال کر قدم اُٹھائے، راہ کے نشیب و فراز کو خوب غور سے ذہن نشین کر لے، راہ راست کے علامات اُس کے قوت حافظہ میں ودیعت ہوں، ایسا شخص ہزاروں کو تھوڑی کوشش میں منزل مقصود تک پہنچا سکتا ہے۔

صوفیا اور اتباع شریعت۔

ہاں وہ کونسا کان ہے جس نے سالکین راہ معرفت کے سردار حضرت جنید بغدادی کے وسیع فیوض کا غلغلہ نہ سنا ہو، وہ کون سی محقق آنکھ ہے جس نے تاریخی دنیا میں اُس منتخب روزگار

کے فضائل وکمالات نہ دیکھے ہوں، آپ کا صاف اور صریح ارشاد مبارک ہے الطرق کلها مسدودة الا من اقتفى اثر الرسول من لم یحفظ القرآن و لم یکتب الحدیث لم یقتدی به فی هذا الامر لان علمنا مقید بالکتاب و السنة۔ (تمام راستے بند ہیں سوائے رسول کے نقش پا کی پیروی کے، جس نے کتاب وسنت کا علم حاصل نہ کیا اس کی پیروی جائز نہیں، کیوں کہ ہمارا علم (تصوف) کتاب وسنت کے ساتھ مقید ہے) اسی قوم میں وہ فخر قوم حضرات صوفیہ تھے جن کا سراپا شریعت اور طریقت کی چمکتی ہوئی روشنی سے نور علیٰ نور بن کر آفتاب و ماہتاب کو شرماتا تھا۔ حضرت خواجہ سری سقطی جن کے کمالات باطنیہ کا زمانہ قائل ہے فرماتے ہیں کہ ''سچا صوفی وہی ہے جس کے مکاشفات ومشاہدات، جس کے قول وفعل پر شریعت مطہرہ جرح نہ کر سکے''۔ حضرت بایزید بسطامی کا مقولہ ہے کہ ''اگر کوئی شخص زمین سے اُڑ کر افق سما تک پہنچے اور شریعت مطہرہ کا پابند نہ ہو اُسے کمال سے ہرگز کچھ علاقہ نہیں''۔ ان ہی کے زمانہ میں شہرہ ہوا کہ فلاں شخص بڑا باکمال اور صاحب نسبت قویہ ہے، اُس کی توجہ میں یہ زبردست قوت اور قوی تاثیر ہے کہ ایک نگاہ میں بھری محفل کے دل ہل جاتے ہیں۔ مرید ہو، یا کوئی غیر، چار آنکھیں ہونا شرط کہ دل کی آنکھیں کھل گئیں۔ حضرات! اب ذرا بے نفسی اور حق طلبی ملاحظہ ہو سنتے ہی کھڑے ہو گئے احباب وآشنا کو ساتھ لیا اور کہنے لگے کہ چلو بھائیو، ہم بھی اُس مرد خدا کی زیارت سے مشرف ہو آئیں، اگر ہم کو بھی وہاں سے کچھ مل جائے تو کیا بڑی بات ہے۔ وہاں پہنچ کر ابھی سلام وکلام کی بھی نوبت نہ آئی تھی کہ اُس شخص نے قبلہ کی طرف تھوکا، کیسا سلام، کس کی بات چیت، کون بیٹھے اُلٹے پاؤں پھر آئے، ساتھیوں سے خطاب فرمایا کہ بھائیو! جو شخص آداب شرع سے خبردار نہ ہو وہ کسی کو خدا تک کیا پہنچائے گا جو امر محمد رسول اللہ ﷺ نے خلاف ادب ٹھہرا دیا اُس کے ارتکاب کے بعد بھلا اسرار طریقت کس طرح منکشف ہو سکتے ہیں۔ حضرت ذوالنون مصری کا ارشاد کب بھول جانے کی چیز ہے کہ محبت الٰہی کی نشانی یہی ہے کہ اُس کے پیارے محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اخلاق وعادات، افعال واقوال، اوامر ونواہی، جمیع سنن کی پیروی میں جانباز ہو۔ حضرت

بشر حافی خاص اپنی بیتی سناتے ہیں کہ ایک شب میرا بخت خفتہ بیدار ہوا، خواب میں جمال محمدی کی زیارت نصیب ہوئی (روحنا فداہ ﷺ) ارشاد مبارک ہوا اے بشر، کیا تم یہ بات بتا سکتے ہو کہ یہ رفعت ومنزلت جو تم کو دی گئی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ افزائش مراتب تمہاری کس خدمت کا صلہ ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ قربانت شوم، مجھ کو اطلاع نہیں، ارشاد مبارک ہوا یہ تمہاری اُس کارگزاری کا صلہ ہے جو ہر دم تم کو ہماری شریعت، ہمارے سنن کی پیروی ملحوظ رہتی ہے۔ ایک روز حضور سلطان المشائخ سید نظام الدین الٰہی بدایونی خیمہ مبارک میں رونق افروز تھے، محفل سماع منعقد تھی، اہل دل کو عجب ذوق وشوق، لطف وسرور حاصل تھا۔ قاضی ضیاء سنامی کو خبر ملی کہ شیخ مع مریدین ومعتقدین اس وقت وجد وحال میں مستغرق ہیں، اپنے دونوں لڑکوں کو ساتھ لیا اور احتساب کے لئے آموجود ہوئے، آتے ہی پہلی بسم اللہ یہ کی کہ خیمہ کی رسیاں کاٹ دیں، مگر کامیاب نہ ہوئے، قاضی صاحب تو یہ سمجھے تھے کہ خیمہ گر پڑے گا، ساری مجلس درہم برہم ہوجائے گی مگر نیا گل کھلا، نرالی کیفیت ظاہر ہوئی، خیمہ کا گرنا کیسا، جنبش بھی نہ ہوئی، بغیر رسیوں کے معلق کھڑا رہا۔ اس غیر معمولی بات کو دیکھ کر بھی قاضی صاحب اپنے ارادہ سے باز نہ آئے، خیمہ کے اندر داخل ہو کر حضرت شیخ سے خطاب کیا کہ میں وہ نہیں ہوں کہ خرق عادت دیکھ کر اپنا فرض منصبی چھوڑ بیٹھوں، مجلس سماع سے منع نہ کروں اور نہایت درشتی کے ساتھ سلسلۂ کلام بلکہ سلسلۂ زجر وتوبیخ شروع کیا، حضرت نے نہایت نرمی اور انکسار کے ساتھ جواب دیا کہ ہم تو تمہارے حکم کے بندے ہیں جو حکم ہو اُس کی ابھی تعمیل ہوسکتی ہے، قاضی صاحب نے کہا کہ میرا بس یہی حکم ہے کہ اسی وقت یہ جلسہ برخواست ہو جائے، حضرت شیخ نے یاروں کو حکم دیا کہ فوراً اُٹھ جاؤ، قاضی صاحب نے جب اپنی آنکھ سے دیکھ لیا کہ مجلس موقوف ہوگئی اُس وقت اپنے گھر کو واپس آئے۔

علماء شریعت کا ارباب طریقت کے ساتھ خلوص -

علماء شریعت جس عقیدت مندی کے ساتھ اکابر طریقت کی خدمت میں حاضری کو اپنا فخر سمجھتے تھے اُس کا ٹھیک پتہ کتب تواریخ سے ملتا ہے۔ فخر قوم قاضی شرع حضرت

امام ابو یوسف جن کا نظیر زمانہ آج تک ثابت نہ کر سکا اور نہ آئندہ موہوم امید ہو سکتی ہے۔ وہ امام ابو یوسف جن کی تحقیقات علمیہ، جن کی قوت اجتہادی کی غیر قومیں بھی معترف ہیں، وہ امام ابو یوسف جن کی بے پرواہ نظر میں امراء وسلاطین کی کوئی حقیقت نہ تھی اپنے شاگرد حضرت داؤد طائی کے خدمت میں اس طرح حاضر ہوتے جس طرح نہایت باادب مرید کا شیوہ ہو، امام احمد بن حنبل جن کے زہد و ورع جن کے مدارج و معارج کی جہاں میں دھوم ہے حضرت خواجہ معروف کرخی کی خدمت میں جس ادب سے حاضر ہو کر استفادہ فرماتے وہ بھی پوشیدہ نہیں۔

فقہ۔

فقہ میں اگر ہماری قوم کو ید طولیٰ حاصل تھا تو اُس کی اجمالی کیفیت یوں سمجھ لینا چاہیے کہ کامل غور اور تفحص تام، مراعات وجہ تطبیق، امتیاز ناسخ و منسوخ، مہارت علم حدیث وغیرہ وغیرہ جاں فشانیوں میں اپنی عمریں صرف کر دیں، ایک مسئلہ کی خاطر پیادہ پا بھوکے پیاسے منزلوں سفر کرنا آسان اور بغیر تحقیق کے بیٹھ رہنا محال، حضرات! کمال تحقیق کا تو یہ حال اب ذرا احتیاط کی کیفیت بھی سننے کی بات ہے ایک جلسہ میں چالیس فقیہ موجود ہیں اور مستفتی نے مسئلہ پیش کیا، بحمد اللہ اُس وقت میں اگر ایک پوچھنے والا تھا تو سو بتانے والے تھے، ایک نے دوسرے پر، دوسرے نے تیسرے پر حوالہ کیا، تیسرے نے چوتھے پر یہاں تک کہ ساری جماعت میں دورہ ہو کر پھر پہلے مسئول کے پاس سوال آ پہنچا اور ہنوز اُس کا یہی خیال ہے کہ فتویٰ دینے والوں کی کیا کمی ہے، اگر ایک میں نہ بتاؤں گا تو میرے دوسرے بیس بھائی نہایت تحقیق کے ساتھ بتانے کو موجود ہیں، اپنی یاد پر مجھ کو اطمینان نہیں، مبادا میں جو کہوں وہ ٹھیک نہ ہو۔ حضرات! اگر نو آموز جماعت اس قدر احتیاط کرے تو چنداں جائے تعجب نہیں، منتہی اور ماہرین حضرات آسان مسئلہ میں جس غور و فکر، تامل و تحقیق کو کام میں لاتے اُس کے معائنہ سے نہ فقط حیرت ہوتی ہے بلکہ اُن کے کمال ورع اور خوف الٰہی کا پورا نشان ملتا ہے۔ قرآن و حدیث کی بہتی ہوئی نہر یعنی فقہ جن بابرکت حضرات کی نامی اور دوامی یادگار ہے سچ

تو یہ ہے کہ اُن کی ہمت نے امت محمدیہ کی رفاہ، امت محمدیہ کی ہمدردی میں وہ بلیغ کوشش فرمائی امت مرحومہ پروہ احسان کیا ہے جس کے شکریہ کے لئے ہم کو کوئی لفظ ایسا نہیں مل سکتا جو واقعی شکریہ کا مضمون ادا کر سکے۔ اے حضرات! وہ بھی کیا مبارک زمانہ تھا کہ اس جانفشانی اور تکمیل علم فقہ میں ہمارے اسلاف کی غرض بجز رفاہ اور اسلامی ہمدردی کے اور کوئی نہ تھی۔ ہاں وہ ہمارے ہی اسلاف تھے جن کی زبردست تائید نے دین متین کو وہ فائدہ پہنچایا جس کے نہ ہونے پر احکام ملت محمدیہ کا ٹھیک پتہ ملنا بھی ناممکن تھا۔ بالخصوص ائمہ اربعہ کی غیر معمولی کوششیں تو ہم کسی طرح بھول ہی نہیں سکتے اور پھر باوجود اس علو مرتبت کے احتیاط اس درجہ کی بڑھی ہوئی کہ امام الائمۃ سراج الامۃ ابوحنیفہ کوفی نے عہدۂ قضا سے تحاشی پکاری، شاہی درخواست کو مسترد کر دیا، کوڑوں کی سخت اور اندوہناک مار سہی مگر مخلوق کی جوابدہی اپنے ذمہ نہ لی۔ اکابر متقدمین کے علاوہ متاخرین فقہاء کرام جن کے دم قدم سے ہندوستان کو بہت فخر و ناز حاصل ہے اُن کے حالات پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ معمولی مسئلہ کے جواب میں بھی کمال خوض و فکر کے بعد جواب دینا اُن کا معمول تھا۔ چنانچہ ان حضرات کا کمال احتیاط اُن کے کمال تبحر کے ساتھ اُن کی تصنیفات و فتاوے سے ظاہر ہے۔

عقائد کی پختگی۔

عقائد کی پختگی تھی تو اس درجہ کی کہ ظالم بادشاہ کا خوف اُس میں مخل نہ ہو سکے۔ کتنے ہی بھدّے خیال کا کوئی کیوں نہ ہو مگر وہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ عقائد ہی وہ چیز ہیں جن کی درستی و خرابی، صحت و بطلان پر انسان کو ہدایت یافتہ یا گمراہ، اچھا یا برا کہہ سکتے ہیں۔ کسے باشد، کسی فریق کا ہو، نصرانی ہو یا یہود، مجوسی ہو یا ہنود، رافضی ہو یا خارجی، غیر مقلد ہو یا نیچری، جب تک اُس کے مذہبی عقائد اُس کے دل میں راسخ نہ ہوں گے، عقل سلیم اُس کو اُس فریق سے تعبیر نہیں کر سکتی۔ انسان اپنے مذہبی حقوق کا اُسی وقت مستحق قرار پا سکتا ہے کہ اپنے مذہبی عقائد پر نہایت دلیری کے ساتھ پختہ ہو، جب تک انسان اپنے تمام مذہبی عقائد میں مضبوط نہ ہوگا ہرگز کسی مذہبی منفعت سے متمتع نہیں ہو سکتا۔ ہماری قوم اس نفیس خوبی میں

تمام اقوام پر فوقیت لے گئی۔ ہمارے اسلاف بخوبی جانتے تھے اور سمجھتے تھے کہ بغیر اس پختگی کے ہم مسلمان نہیں ہو سکتے۔ امام احمد بن حنبل کا قصہ کوئی دبی چھپی بات نہیں، خلق جانتی ہے کہ جان پر کھیل گئے مگر مرتے مرتے خلق قرآن کے قائل نہ ہوئے۔ شخص، یا قوم پرستی مسلمان ہونے کا اطلاق اُسی وقت کیا جا سکے گا جب شخص یا قوم اپنے جملہ مذہبی عقائد میں نہایت مضبوطی کے ساتھ ثابت قدم ہو، جابر و ظالم کی دھمکی، دوست کی مروت، دنیا کا لالچ اُس کے استقلال اُس کی استقامت میں خلل اندازی نہ کر سکے۔ ہم دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ شرف اسی قوم کو ایسا بوجہ اتم حاصل تھا جس کی نظیر تاریخ دنیا میں کوئی نہیں مل سکتی۔

بدمذہبوں سے بغض و عداوت۔

بدمذہبوں سے بغض و عداوت تھی، اُن سے نفرت تھی تو اس درجہ کی کہ ایمان کا جز و اعظم سمجھے ہوئے تھے، ہمارے اسلاف جس طرح خدا کے محبوب بندوں کی محبت کو اپنا فرض منصبی سمجھ کر جان سے مال سے اُن کی خدمت گزاری کو حاضر تھے۔ اسی طرح مبتدعین لیام کے رد و طرد، بغض و اہانت میں نہایت تشدد رکھتے تھے، **من احب للّٰه و ابغض للّٰه فقد استکمل الایمان** (جس نے اللہ کے لئے کسی سے محبت کی اور اللہ کی وجہ سے کسی سے بغض کیا اس کا ایمان پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا؛ الحدیث) دونوں مضامین کے فوٹو اُن کی دور بین نظر سے کسی وقت جدا ہونے والے نہ تھے۔ ہمارے اکابر کی نگاہ میں مبتدعین کی وقعت کتوں سے زیادہ نہ تھی اور کیوں کر ہو سکتی تھی کہ اپنے مہربان آقا، رحیم و کریم آقا حضرت جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارشاد مقدس بھی تھا کہ **اصحاب البدع کلاب اهل النار** (بدعتی جہنم کے کتے ہیں) یعنی بدمذہبوں کو تم آدمی سمجھتے ہو، فی الحقیقت وہ کتے ہیں اور کتے بھی کس کے دوزخیوں کے۔ ہمارے ہی وہ اکابر تھے جن کا یہ خیال تھا کہ بدمذہبوں کو جھڑکی بتانے میں یہ عمدہ تاثیر ہے کہ نور ایمانی سے دل مالا مال ہو جاتا ہے۔ بلیات و خطرات سے امن و امان رہتی ہے۔ اُن کا یہ خیال ارشاد نبوی کے مطابق بھی تھا کہ حدیث شریف **من**

انتھر صاحب بدعة ملاء اللہ قلبه امنا و ایمانا (جس نے کسی بدعتی کو جھڑکا اللہ اس کے دل کو امن اور ایمان سے بھر دے گا) کے یہی معنی نہیں تو اور کیا ہیں؟ ہمارے ہی اسلاف کا خیال تھا کہ مبتدعین کی اہانت و تحقیر کرنے والا حساب و کتاب کی کشمکش، مہر محشر کی تیزی و دیگر مصائب محشر سے محفوظ رہے گا، اُن کا یہ خیال کوئی معمولی خیال نہ تھا، اُن کے اس نفیس خیال کی مؤید حدیث نبوی موجود ہے۔ ارشاد مبارک ہے من اھان صاحب بدعة آمنه اللہ یوم الفزع الاکبر۔ (جس نے کسی بدعتی کی اہانت کی اللہ بروز قیامت اس کو امان عطا فرمائے گا) ہمارے ہی اکابر خوب سمجھے ہوئے تھے کہ مبتدعین سے میل جول رکھنا، اُن سے نفرت نہ کرنا، اُن سے نفرت کے ساتھ پیش نہ آنا، اُن کا اعزاز و اکرام، اُن سے بہ کشادہ پیشانی ملنا شریعت مطہرہ کا کامل استخفاف ہے اگر اسلامی نگاہ سے دیکھئے تو اُن کی یہ سمجھ بہت ٹھیک اور ہدایات مصطفویہ کے سراسر مطابق تھی کہ حدیث شریف من الان له او اکرمه او لقیه ببشر قد استخف بما انزل اللہ علی محمد ﷺ (جس نے کسی بدعتی سے نرمی برتی، یا اس کا اکرام کیا، اس سے خوشی کے ساتھ ملاقات کی تو گویا اس نے مجھ پر نازل کئے گئے دین کی توہین کی) کا یہی منشا ہے۔ ہاں وہ ہمارے ہی اسلاف تھے جو فرق مبتدعین کے بغض و عداوت، ان سے مہاجرت و انقطاع کو یہود و نصاریٰ کے بغض و عداوت سے زیادہ مہتم بالشان سمجھتے تھے۔ ہمارے نکتہ شناس اکابر کی نورانی عقول پر یہ بات بخوبی ظاہر تھی کہ جس شخص کو اپنی زبان سے یہ اقرار ہے کہ ہاں ہم دین اسلام اور پیروان دین اسلام کے دشمن ہیں، ایسے کے اغوا کا اثر عوام پر بھی نہایت دقت طلب امر ہے۔ یوں کوئی بندۂ دنیا شہوت پرست دنیاوی لالچ، کسی عورت کے فراق میں عیسائی ہو جائے، کسی مندر میں جا بیٹھے، یہ دوسری بات ہے، مگر جاہل سا جاہل سنی بھی عیسیٰ ابن اللہ کا قائل ہو جائے، ہندو دھرم اختیار کر لے یہ بہت مشکل کام ہے اور جو شخص کلمہ کا شریک ہو کعبۃ اللہ کو قبلہ کہے اور بعض ضروریات دین یا ضروریات مذہب کا منکر ہو اُس کا جال ضرور ایسا ہے جس میں عوام کالانعام پھنسنے کے بعد بڑی مشکل سے نجات پاتے ہیں۔ پس جب اسلام اور اہل اسلام

کے حق میں مبتدعین کا شر یہود و نصاریٰ کے شر سے زیادہ مضرت رساں ثابت ہوا پھر بھلا اُن کا ردّ وطرد، اُن سے تنفر اُن سے احتراز، اُن کی صحبت سے اجتناب، اُن کے بغض و عداوت کو ہمارے اکابر کیوں نہ ضروری خیال کرتے، ہاں وہ ہمارے ہی اسلاف تھے کہ مبتدعین سے صرف کنارہ کش نہ ہو بیٹھے بلکہ عام جلسوں میں اُن کی تحقیر و اہانت کا اعلان کیا۔ مجامع عامّہ میں پکار پکار کر کہتے تھے کہ دیکھو فلاں شخص مبتدع ہے، اُس کی صحبت سے دور بھاگو، ایسا نہ ہو کہ تم اُس کے پھندے میں پھنس جاؤ ورنہ تمہاری ہلاکت امر یقینی ہے۔ اگر غور کیجئے تو یہ اعلان و اشتہار اُن کے کمال ایمانی کی قوی دلیل تھی اور ارشادات مصطفویہ کی پوری تعمیل۔ کیا اگر ہمارے اکابر دین حنیف کی اس قدر حفاظت نہ کرتے تو مبتدعین لیام سچے مذہب کو دنیا کے پردہ پر باقی رکھتے، ہاں اس فخر و شرف میں بھی یہی قوم وحید روزگار تھی۔

مجالس فسق سے اجتناب-

مجالس فسق سے اجتناب تھا تو اس درجہ کا کہ کیسا ہی عزیز کیوں نہ ہو مگر اُس کی محبت کا یہ اثر نہ تھا کہ اُس کی خاطر، اُس کی رعایت سے اپنی وضع محمدی میں کوئی فرق آسکے۔ ناچ رنگ کے جلسوں میں شرکت روا رکھیں، کتب تاریخ شاہد ہیں کہ اگر بعض اوقات اتفاقیہ طور پر چلتے پھرتے راہ میں گانے بجانے کی آواز کان میں پڑ گئی تو اس غیر اختیاری فعل پر بھی بہت کچھ اظہار حسرت کیا گیا ہے اگر یہ دریافت ہو گیا کہ فلاں مجلس میں شخص واحد بھی شراب نوشی کرے گا پھر بھلا کس کی طاقت جو اُن کو اُس مجلس میں لے جاسکے۔ وہ کونسا دباؤ، کس کی خوشامد تھی جو اُن کی شرعی آن بان میں مزاحم ہو سکتی۔

منکرات و بدعات سے احتراز -

منکرات و بدعات سے وہ احتیاط کہ باید و شاید، ہندوستان میں جس وقت سے چند بدعات نے عوام کالانعام میں رواج پایا اُن کے جہالت آمیز اور مالخولیانہ خیالات کا اثر پڑھے لکھے، ہوش و خرد والے مسلمانوں پر پیدا ہونا محال سے کم نہ تھا۔ بے شمار ملکوتی صفات، متبرک ذاتیں ایسی گزری ہیں جنھوں نے صغر سنی کی حالت میں بھی اُن ناروا افعال

کی شرکت گوارا نہ رکھی اور وقتاً فوقتاً بمصداق لا یخافون لومۃ لائم (وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں کرتے) اپنی زبردست تحریر وتقریر سے ان بدعات شنیعہ کا عدم جواز ثابت کرتے رہے۔ عوام کی برافروختگی وایذارسانی کا خیال نہ کیا۔

تہذیب۔

تہذیب اس درجہ کی کہ ہماری تہذیب کی پیروی نے وحشی اقوام کو لباس آدمیت پہنا دیا، ہاں وہ یہی مہذب قوم ہے جس کے تمام دنیاوی معاملات اور دینی طاعات میں سلامت روی، اعتدالی حالت نمایاں تھی ہاں یہ اثر اسی ایمانی شائستگی اور قرآنی تہذیب کا تھا کہ جمیل وشکیل بیٹے کی شہادت پر بڑھیا ماں نے نہایت مسرت کے ساتھ حصول مرتبۂ شہادت کی بیٹے کو مبارک باد دی۔ پیارے بیٹے کی صورت کا عاشق باپ بیٹے کی زخمی لاش کو دیکھ کر چیخ نہ اٹھا نہایت صبر واستقلال کے ساتھ دفن کر کے اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ محمدی تہذیب کی وہ بے شمار مثالیں کتب تواریخ میں موجود ہیں جن کی نظیر دیگر اقوام میں بالکل عنقا صفت ہے۔

حفظ مراتب۔

حفظ مراتب کا یہ حال کہ عالم بیٹا، جاہل باپ کو اپنے وجود ظاہری کا سبب سمجھ کر اپنی علمی حیثیت، اپنے ذاتی مرتبہ کو لاشے جانے۔ یہ اسی قوم کا مابہ الاعزاز تھا۔ خاوند کو بی بی کے حقوق کی رعایت ملحوظ، بی بی اپنے خاوند کی تابعداری میں سرگرم، علماء کو اپنی کشتی کا ناخدا سمجھنا، علماء کو وارثان فیض نبوت مان کر اُن کے جملہ ارشادات کی تعمیل، ان کی تعظیم وتکریم میں تہاون نہ کرنا، یہ فخر اسی قوم کو حاصل تھا۔ مشائخ طریقت کو ایمان کی جان، جان کا ایمان جان کر اُن کی غلامی وکفش برداری پر اسی قوم کو ناز تھا، محسن کے احسان کو فراموش نہ کرنا یہ خاصّہ اسی معزز اور نامور قوم کا تھا۔

دیگر اقوام کے فنون کی تحصیل۔

دیگر اقوام کے فنون کی تحصیل تھی تو اسی طرح کہ علمائے دین نے ادنیٰ توجہ، ادنیٰ التفات

میں فنونِ فلسفہ میں وہ کمال پیدا کیا جو اپنوں کو نصیب نہ ہوا تھا، فلسفہ کی تحصیل وتکمیل میں ضرور کوشش فرمائی مگر اس طرح کہ اپنا دین ومذہب ہاتھ سے نہ جائے اور وہ بھی جبکہ دینی ضرورت اُس کی متدعی ہوئی جس کی ابتدا ابوالحسن سے سمجھنا چاہیے، جس دیندار شخص نے اپنے اُستاد ابو علی معتزلی کو عند المباحثہ بدلائل فلسفیہ فاش زک دی۔ پھر تو فرقۂ مخذولہ معتزلہ نے جیوں جیوں مذہب حق پر باعانت ادلۂ فلسفیہ حملہ آوری میں پیش قدمی شروع کی اور مناظرہ کا سلسلہ بڑھتا گیا، متاخرین نے فنونِ فلسفہ کا عربی میں ترجمہ کیا اور اُنھیں کے اصول مسلمہ سے اُن کے شکوک مٹائے۔ اُن کی تاویلات کی رکاکت ظاہر کر دی، اُن کی توجیہات کا بطلان ظاہر کر دیا، اُنھیں کے اصول مسلمہ کی شہادت سے مذہب حق کے اصول کی حقانیت ثابت کر دکھائی۔ ہاں یہ نہ ہوا ہے اور نہ آیندہ ہو کہ قوم میں کسی وقت میں کوئی برا نہ ہو، نہیں نہیں اچھے اور برے ہر قوم میں ہوتے ہیں، جس زمانہ میں فلسفہ نے اسلامی دنیا میں اپنا قدم رکھا، ایک جماعت اُس کو مرحبا اور خیر مقدم کہنے کے لئے بھی کھڑی ہو گئی ہاں ہاں جس زمانہ میں یونانی فلسفہ نے اسلامی دنیا پر اپنا رنگ جمایا، ایک جماعت اُس کے رنگ میں بھی رنگ گئی مگر ہزاروں نے اُسے اپنا جیسا مسلمان بھی بنا لیا، ابومنصور ماتریدی، امام اشعری وغیرہ کو دیکھئے، ان حضرات نے فلسفہ میں ضرور کمال حاصل کیا مگر اس بلیغ کوشش سے اُن کی غرض صرف مخالفین کو دندان شکن جواب دینا تھا۔ فلسفی خیالات کے معتقدین کو نہ فقط ساکت کر دیا بلکہ اُن کی زبردست اور پُراثر تقریر نے دل پھیر دیئے۔ فخر الدین رازی، امام غزالی کی تحقیقات بھی ایسی نہیں جس کے تصور سے حکماء یونان کی عقل چکر میں نہ آجائے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ اثر ہمارے ہی اکابر کی جاں فشانی کا ہے کہ کوئی بدمذہب اسلامی اصول پر فلسفی اعتراض نہیں کر سکتا۔ جس غرض سے حجۃ الاسلام امام غزالی نے اس فن میں مہارت پیدا کی تھی (یعنی مخالفین کے حملوں کی مدافعت، اُن کی طمع کاری کی کشف حقیقت) اپنا وہ کام پورا کر لینے کے بعد یہی کہتے بنی کہ فلسفہ میں توغل پیدا کرنا حرام اور ناجائز ہے اور مرتے دم صحیح بخاری شریف کو اپنے سینہ پر رکھ لیا اور اُسی حالت میں دنیا کو وداعی سلام کہہ گئے۔ امام رازی جن کا اس فن میں بے عدیل اور

لاثانی ہونا آفتاب سے زیادہ واضح ہے لیکن فلسفہ میں مہارت پیدا کرنے کا یہ اثر نہ ہوا کہ اسلامی اصول کو بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھ سکتے نہیں نہیں امام رازی وہ شخص ہیں جن کی کوشش نے اصول مذہب کو فلسفی دلائل سے بھی ایسا مضبوط کر دکھایا جن کو کوئی فلسفی حملہ صدمہ نہیں پہنچا سکتا۔ اس اخیر زمانہ کی حالت اور تعلیم پر بھی غور کرنے سے یہ امر صاف ثابت ہوتا ہے کہ فلسفہ کی تحصیل سے ہماری قوم کی غرض دین کو مدد پہنچانا تھی۔ دہلی لکھنؤ وغیرہ کے ایک صدی پیشتر کے مدارس میں ایسا کون سا مدرسہ تھا جس میں فلسفہ کا درس نہ ہو۔ لیکن یہ نہ ہوا کہ کسی شخص نے بھی اپنے مذہبی خیالات کو فلسفی تعلیم کے اثر سے بدل دیا ہو۔

شاعری۔

شاعری تھی تو اس پایہ کی کہ الفاظ منتخب، نشست دیکھئے تو اس موقع اور ترتیب کی کہ اُس سے بہتر غیر متصور، طرز کلام میں وہ صفائی جس کو سن کر دل لوٹ ہو جائے متروک محاورات، یا ادنیٰ درجہ کے لوگوں کی بول چال یا وہ کمزور اور ضعیف الفاظ جن سے پوری قوت کے ساتھ خیالات کا اظہار نہ ہو سکے یا ایہامی حالت پیدا ہو جائے ان معائب سے کمال احتیاط، اگر ضرورت خاص سے غیر مقام کے الفاظ کسی موقع پر لائے گئے تو اس خوبی اور احتیاط کے ساتھ کہ کلام کی صفائی، کلام کی خوبی میں فرق نہ آئے۔ پاکیزہ خیالات، سادگی، سلجھے ہوئے جملے، مستند محاورات، روزمرہ کی پابندی، مناسب رنگینی، مگر ان سب مراتب کے ساتھ آمد کا دلکش لطف اپنی جدا بہار دکھاتا ہے، اگر اس موقع پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ عربی اشعار کا تذکرہ کیا جائے تو اگرچہ لطف سے خالی نہ ہو لیکن اس وقت جو حضرات ہمارے مخاطب ہیں جن کی طرف ہمارا روئے سخن ہے اُن کی مثل یہی ہے کہ مادرزاد اندھے کے سامنے آفتاب کے فوائد بیان کرنا اپنے عزیز اوقات کی تضیع نہیں تو اور کیا ہے۔ عربی اشعار کے لطف عربی مذاق سے اُن کو کیا مناسبت، عربی زبان کا حسن وقبح، اُن کی عالی فہم میں کب سما سکتا ہے، اگر وہ منصف مزاجی کے ساتھ غور کریں تو سمجھ سکتے ہیں کہ اس فن میں ہمارے اسلاف کو وہ کمال حاصل تھا جس کی دھوم آج تک اُن کے معتقد علیہم میں بھی مچی ہے۔ لندن، بیروت، جرمن،

فرانس کے مشہورین اُن کی خداداد قابلیت کو دیکھ کر انگشت بدنداں ہیں۔ ہاں اردو شاعری میں بھی عوام کالانعام کی پھکوڑیات، بازاری گفتگو، زنانہ بول چال، چڑیا چڑے کی کہانی سے ہمارے باکمال اسلاف کو کامل احتراز تھا۔

دنیاداری۔

دنیاداری تھی تو دین کی ماتحتی میں، ہاں اسی قوم میں وہ دنیادار تھے جن کی دنیاداری سے اسلام اور اہل اسلام کو فائدہ پہنچتا تھا، ہاں اسی قوم میں وہ دنیادار تھے جن کی دنیاداری سے اُن کے مذہب کو ٹھیس نہ لگی۔ اپنی پامردی اور قوت بازو سے بہت کچھ کمایا لیکن جائز اور معقول طریقوں سے، قدرت کی نعمتوں سے متمتع ہوئے مگر ناشکرے نہ بنے۔ امن و آسائش، راحت واطمینان کے ساتھ زندگی بسر کی، مگر تقویٰ طہارت، روزہ نماز میں فرق نہ آیا، سلطنت کا کونسا پہاڑ ہے جس پر ہمارا پھریرا نہ اُڑا، تجارت کا کونسا خزانہ ہے جس پر قابض نہ ہوئے، صنعت وحرفت کا کونسا دریا ہے جس کی تہہ کو پہنچ کر دُر مقصد نہ نکالا ہو، ترقی کا کونسا آسمان ہے جس پر عروج نہ ہوا لیکن قرآن مجید کی پاک ہدایتوں کی پابندی کے ساتھ، بادشاہ امت، حکیم امت، غمخوار امت، شفیع امت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ واولیاء امتہ وبارک وسلم کی حلقہ بگوشی کو کسی حال میں متروک نہ کیا۔ غرباء قوم کے ساتھ اخلاق محمدی سے پیش آنا یہی قوم امارت کا تمغا سمجھتی تھی۔ امراء کا سرمایہ دولت زمین میں دبا رکھنے کی چیز نہ تھا، زیادہ حصہ کی شریک اُس میں قوم تھی، عزیز رشتہ دار کی خصوصیت کیسی، اپنا ہو یا غیر، کوئی ذی احتیاج کیوں نہ ہو دنیا کو فانی اور روپیہ پیسہ کو آنی جانی چیز سمجھ کر اپنی ضرورتوں پر دوسرے کی حاجت برآری کو مقدم سمجھنا ہمارے ہی امراء کی دلیل امارت تھی۔

تصویر کا دوسرا رخ۔

مبارک زمانہ نبوت سے جس قدر بعد ہوتا گیا اُسی قدر اس قوم میں تبدیلیاں شروع ہو گئیں، قومی ترقی میں تنزل پیدا ہوا اور رفتہ رفتہ خرابیوں کے انبار لگ گئے تاہم اُن خرابیوں کی اصلاح کے واسطے علماء کبار واولیاء ذی وقار وقتاً فوقتاً آتے رہے کہ اپنی زبردست تائید

سے قوم کی عملی اور اعتقادی برائیاں دور کر دیں، اُن کی سچی ہمدردی، اُن کی مذہبی تائید، اُن کی پاک ہدایتوں سے قوم کی بگڑی حالت کا درست ہو جانا کوئی دشوار کام نہ تھا، اب خواہ یوں کہیے کہ قیامت سر پر سوار ہے یا یوں سمجھئے کہ قدرتی طور پر ہم اپنی بداعمالیوں کی سزا بھگت رہے ہیں، ضرورت کے موافق اسلام کے سچے فدائی وہ دیندار علما ہیں نہ حضرات اولیاء کرام، پھر اس قوم کی ابتری کا کیا پوچھنا، نبی عربی مکی مدنی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے علامات قیامت کے متعلق جو سچی اور ضرور ہونے والی پیشین گوئیاں فرمائیں ہیں، جن آثار قیامت کو علماء دین نے کمال تحقیق کے ساتھ احادیث صحیحہ سے مستنبط کیا ہے اُن پر غور کرنے سے قیامت ضرور قریب معلوم ہوتی ہے زمانہ قربِ قیامت میں جن خرابیوں کا وقوع ضرور ہے وہ اکثر آثار پائے جاتے ہیں جن بے نظیر اور بیش قیمت خوبیوں میں یہ قوم مشارالیہ تھی، منتخب روزگار تھی آج اُن کی نقایض واضداد اُسی قوم میں نہایت ترقی کے ساتھ موجود ہیں۔

نااتفاقی۔

اتفاق کے بدلے یہ بلا کی نااتفاقی کہ ایک کو ایک کھائے جاتا ہے۔ زبانی جمع خرچ بہت سن لیئے کہ ہم قوم کے مصلح ہیں، قوم کی نااتفاقی دیکھ کر کلیجہ پھٹا جاتا ہے، ایک چنا بھاڑ نہیں جھونکتا، اکیلے نہ ہنستے بھلا نہ روتے بھلا۔ جھاڑو کی سینکیں فرادیٰ فرادیٰ مکان کو صاف وستھرا نہیں کر سکتیں، سب ایک ہو جاؤ، ہے ہے غضب ہو گیا کہ قومی جہاز بھنور میں پھنسا ہوا ہے، قومی اصلاح، قومی اتفاق کے لئے بیسیوں کمیٹیاں قائم ہیں۔ انجمن اصلاح، انجمن رفاہ، انجمن فلاں کے بیسوں پروگرام ہاتھوں میں دیکھ لیجئے، کوئی کسی قومی اخبار کا ایڈیٹر ہے، کوئی نامہ نگار، کوئی کسی انجمن کا سکریٹری ہے، کوئی پریسیڈنٹ، کوئی چیرمین، کوئی تھرمین، کوئی انجمن کا ناظم ہے، کوئی صدر، لیکن اس طوفان بے تمیزی میں وہی رزولیشن پاس ہوں گے جن پر عمل کرنے سے محمدی اتفاق کی جڑ تک قائم نہ رہے۔ مذہب شکن اصول پر زور دیا جائے گا کہ بھائیو! مذہبی بحث وتکرار چھوڑ دو، اہل مذہب اور لا مذہب دونوں مسلمان ہیں، کلمہ پڑھنے والے جتنے فرقے ہیں وہ سب حق پر ہیں سب سے خدا راضی

ہے، سب راہ راست پر ہیں، اگر سب فرقوں کے ساتھ محبت نہیں تو ایمان نہ دارد، ہر شخص اپنی سمجھ پر مکلف ہے اپنے ہی مذہب کو حق سمجھنا بڑی غلطی اور خود بینی ہے، کسی فرقہ کی تکفیر تو تکفیر تضلیل و تفسیق بھی خلاف اسلام ہے، کسی مبتدع کا رد نہ کرو کہ خود کشی اور فساد فی الدارین ہے۔ اس تمام زق زق اور بق بق کا ماحصل بھی یہی ہے کہ مسلمانوں کے دلوں سے نا اتفاقی کا منحوس قدم نہ اُٹھے۔ کوئی ان ظلمانی طبائع اور اوندھی عقل والوں سے یہ تو پوچھے کہ اصلاح قوم، قومی ہمدردی، قومی اتفاق وغیرہ چند الفاظ جو تمہارا وظیفہ ہیں اُن کے کچھ معنی بھی سمجھتے ہو؟ یا بے سمجھے دیوانہ کی طرح بڑ لگا دینا ضروری ہے؟ کیا قومی اتفاق، قومی اصلاح اسی کا نام ہے کہ قومی پہناوے سے نفرت، قومی کھانے سے نفرت، قومی چال چلن سے نفرت؟ کیا یہی اصلاح قوم ہے؟ قومی اتفاق اسی کا نام ہے کہ اینٹھ کر چلیں، کڑک کر بولیں، کھڑے ہو کر پیشاب کریں؟ کیا یہی اصلاح قوم ہے کہ بڈھے ماں باپ ٹوٹی چارپائی، پھٹی دری پر پڑے رہیں اور آپ کو میز کرسی لگا کر اجلاس فرمانا ضروری ہے؟ کیا یہی اتفاق قومی ہے کہ جمعہ جماعت روزہ نماز سے کچھ سروکار ہی نہ رہے؟ کیا یہی قومی اتفاق کی دلیل ہے کہ اگر کسی ضرورت سے مسجد میں آ گئے تو اللہ اکبر کی آواز پر مسجد سے گریزاں؟ کیا قومی اتفاق اسی کا نام ہے کہ کبھی بھول کر بھی مسلمانوں کو سلام نہ کریں؟ کیا قومی اتفاق یہی ہے کہ صحابۂ کرام سے لے کر اس وقت تک کے علماء عظام کی مقدس شان میں یہ گستاخی کہ معاذ اللہ وہ حضرات معانی قرآن غلط سمجھے، یا اُن کا اتباع اُن کی پیروی قوم کی ہلاکت، قوم کی تباہی، فساد فی الدین، خودکشی، سر پھٹول کا قومی ذریعہ ہے۔ کیا اصلاح قوم قومی اتفاق کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ اصول اسلام وضروریات دین کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہونے پائے؟ کیا قومی اتفاق، اصلاح قوم یہ ہی ہے کہ قوم کے باقی ماندہ کریم النفس، دینی سربرآوردہ، مذہبی پیشوا، وارثان فیضان نبوت کی پاک ہدایات، نیک صلاح، سچی ہمدردی پر نہ صرف یہ کہ عمل نہ کریں بلکہ اُن کو خود غرض، جاہل، مخالف اسلام وغیرہ وغیرہ ناشائستہ القاب سے یاد کیا جائے؟ کیا اصلاح قوم یہی ہے کہ

شیعہ سنی کے اختلافیات کو غیر قطعی ٹھہرا دیا جائے؟ کیا اسی دین فروشی اور دنیا طلبی کو اتفاق کہتے ہیں؟ کیا دنیاوی عروج کے وہم پر آیات قرآنیہ اور احادیث مصطفویہ کے ایک بڑے حصہ کو مہمل اور بیکار ٹھہرا دینے کا نام اتفاق واصلاح قوم ہے؟

ادب کی مٹی خراب -

ادب کی یہ مٹی خراب ہے کہ طبیعت کی صفائی، خیالات کی پاکیزگی ترک ادب پر منحصر ہے کہ فلاں شخص کس قدر صاف مزاج ہے کہ لگی لپٹی رکھنا کسی کی رورعایت کرنا تو جانتا ہی نہیں، چچا ہو، باپ ہو کوئی کیوں نہ ہو وہ منہ توڑ جواب دے گا کہ سننے والا دنگ ہو جائے۔ بدوفطرت سے انسان پر بیشمار حقوق کا بار سوائے ماں باپ کے اور کس کا ہو سکتا ہے؟ اُن کے جلیل القدر احسانات کا شکریہ جو اس زمانہ کے ہونہار لائق فائق بیٹے ادا کرتے ہیں اُس کی زیادہ توضیح کی ضرورت نہیں۔ مختصراً یوں سمجھ لینا چاہیے کہ بڈھے باپ کی سفید داڑھی اور جوان بیٹے کا ہاتھ، بڈھے باپ کا سر اور نوجوان صاحبزادہ کا جوتا، اگر پُر غیرت باپ نے کسی ناجائز طریقہ، برے چال چلن پر ٹوکا، بیہودہ مذاق وتمسخر پر تاسف ظاہر کیا، شہدوں لچوں کی عیاری، بازاریوں کی دلداری چھوڑنے پر میٹھی زبان سے نصیحت کری پھر تو کمبختی آ گئی، کونسی ناگفتنی ہے جو اُٹھا رکھی گئی، وہ باپ جس کو اس زمانہ میں کچھ عافیت مل سکے وہی ہے جو بیٹے کی حد سے بڑھی ہوئی گستاخیاں، خودرائی، خود پسندی پر دم نہ مارے، نہایت چستی اور مردانگی کے ساتھ ہر وقت بیٹے کی اطاعت پر کمر بستہ رہے، وہ بدنصیب، شامت زدہ، اجل رسیدہ باپ جس سے بیٹے کی ابتری نہ دیکھی گئی، پیٹھ پیچھے کچھ برا بھلا کہہ ڈالا، خون کے جوش سے دل بھر آیا، ضبط نہ ہو سکا، جوان بیٹے کو خبر ہونا تھی کہ آگ ببولا ہو گئے، زمین سر پر اُٹھا لی کہ ایں مجھ کو کیا سمجھ کر برا کہا، مجھ پر کیوں اعتراض کیا، خبردار آج سے مجھ کو اپنی روتی ہوئی صورت نہ دکھانا۔

استاذ کی بے قدری -

اُستاد کے ساتھ جو رشید وسعید شاگردوں کا برتاؤ ہے اُس کا بھی ایک عبرت انگیز سانحہ

ہے، اس زمانہ میں تلامذہ نے اپنی ترقی اپنے کمال فضل، اپنی ناموری کو اس میں منحصر سمجھ رکھا ہے کہ اپنے اساتذہ کی تحقیر، اُن کے کمالات ظاہر یہ وفیوض باطنیہ کی توہین وتضحیک کی جائے، وہ اساتذۂ کرام جن کے مستفیدین کی کفش برداری اور فیض تعلیم سے، ایک زمانہ فیضیاب ہو، حق شناس، نمک حلال شاگرد اُن کی ایذا رسانی پر آمادہ ہوں، اُن کی عداوت پر جاہلوں کو برانگیختہ کریں، اُستاد نے اگر شاگرد کے اخلاق ذمیمہ کی اصلاح چاہی، مفید طریقۂ تعلیم کی طرف رغبت دلائی پھر کس کا اُستاد اور کیسا اُس کا علم وفضل؟ دشمن سے دشمن کے ساتھ جو برتاؤ نہ کیا جائے وہ اُستاد کے ساتھ کیا جائے گا۔ دین ومذہب کو خیر باد سنانا مگر شفیق اُستاد محسن اُستاد کی تحقیر وایذا رسانی سے ہاتھ نہ اٹھائیں گے۔ یہی نہیں کہ اسی قدر روسیاہی پر بس کریں بلکہ بڑے تفاخر سے اپنی مخالفت، اپنی ناحق کوشی، اپنی احسان فراموشی کا عام جلسوں میں اعلان کرنا کمال لیاقت اور منتہائے قابلیت سمجھا جاتا ہے۔

خانقاہی نظام کا زوال۔

مریدی ہے تو اسی طرح کہ وہ بھی ایک دنیاوی رسم ہے ادا کرلی۔ باقی شیخ طریقت کے ارشادات کی تعمیل، اُس کے ساتھ علاقہ پیدا کرنا، اُس کے ادب کو لازمی اور ضروری سمجھنا اس کا کچھ ذکر نہ کیجئے، جس کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ہمارا شیخ ہے ہم اُس کے مرید ہیں اُس سے سرکشی، سرتابی کرنا کمال عرفان کی دلیل ہے۔ شیخ کہے کہ اگر ایسا کروگے تو غارت ہو جاؤ گے اور صوفی صاف باطن مرید ہیں کہ اُسی پر اڑے ہوئے ہیں، جس امر کو شیخ طریقت قطعی بتائے، ایک امر کو فرض کہے مگر سعادت مند مرید ہیں کہ ایک کان سنی اور ایک کان نکال دی، کوچہ گرد، لاابالی، بازاری، عیار، بیہودہ منش کی بات کا پھر بھی بہت کچھ لحاظ اور پاس ہوگا، مگر شیخ کے تاکیدی حکم کی ذرا وقعت نہیں، شیخ کو دیکھیں کہ فلاں مرد خدا سے اُس کو غایت درجہ کی خصوصیت، مگر لائق مرید ہیں کہ اُس کی بدخواہی پر آمادہ، دس بیس بار نہیں صدہا بار۔ علی العموم اپنی زندگی میں اپنے کسی خاص لخت جگر کو اپنا خاص قائم مقام اور ولی عہد بنا کر اپنے سامنے سود وسو نہیں، بے شمار بندگان الٰہی کو اُس کے وسیع دامن سے وابستہ کردیا۔

اُس کی اطاعت، اُسکی غلامی کی وصیت فرمائی، مگر باادب مرید ہیں کہ اپنے کوچۂ جہالت سے اٹھ کر دو قدم پر اُس کے پاس آنا خلاف شان، اپنی پختگی اپنی وضع کے خلاف سمجھتے ہیں، اُس کی تائید دین متین کو تعصب و نفسانیت سمجھیں اُس کے عوارف معارف کو جہالت جانیں، اس کی شہد سی میٹھی باتیں تلخ معلوم ہوں، اُس کے دلائل یقینیہ کو سکھائی پڑھائی باتیں اُس کے وصایا کو نا قابل عمل سمجھ کر اعتراض و انکار پر آمادہ، پیر کے عطیہ کو اُس کے منھ پر ماردیں، شیخ جس کو اپنا بھائی اور بڑا بھائی کہے جس کو اپنے قلب کی روح، روح کا آرام ٹھہرائے جس کو حق کا معین، باطل کا ماحی، شریعت کا امام، طریقت کا سرتاج مانے، خوش اعتقاد مرید ہیں کہ اُس مقبول خدا کی جناب میں کون سی گستاخی اُٹھا رکھتے ہیں۔ جو شخص شیخ کا مذہبی مخالف ہو شیخ کو گمراہ جانے، غیر مہذب ناولوں میں فرضی قصہ بنا کر مضحکہ اُڑائے، سخت توہین کرے، نفس پرست، ایمان فروش مرید اُس کے ایسے جان دادہ اور گرویدہ ہیں کہ ہر وقت دم کی طرح پیچھے لگے پھرتے ہیں، ہر وقت اُسی کے مداح اور ذاکر ہیں۔ کوئی شیخ طریقت کا نہایت اخلاص مند اور باادب مرید بن کر یوں رطب اللسان ہے کہ ہمارا شیخ بھی قطب وقت ہے اور اُس کا مخالف مذہبی بھی (جس کو شیخ گمراہ کہتا ہے) قطب وقت ہے، کوئی بااخلاص مرید مدعی ہیں کہ ہمارے شیخ سیدھے سادھے آدمی، اگر مگر سے ناواقف ہیں فلاں فلاں نے بہکا دیا ہے، ظاہر میں کچھ کہہ دیتے ہیں اور اُسی کے مطابق سلسلہ تالیف و تصنیف بھی جاری ہے مگر باطناً اُن کا مذہب اور ہے، غرض کہ ادب جیسی بیش قیمت نعمت، قدرت کا بے بہا اور نفیس عطیہ آج اس قوم سے مفقود ہو گیا۔

شریعت کی بے وقعتی۔

شریعت پر جو لے دے ہے وہ ناگفتہ بہ حالت ہے، خود رائی، خود سری کے جوش، آزادی بے قیدی کی بڑھتی ہوئی امنگوں نے شریعت کی قیود سے قلوب میں وہ نفرت پیدا کر دی ہے کہ نہ خدا کا خوف، نہ رسول کی شرم، شریعت کو گھر کی چیز سمجھ کر جس طرح چاہا اُلٹ پلٹ کر دیا، جو چاہو کرو، جدھر نفس کا میلان ہو اُدھر جاؤ۔ شریعت کے حامی، شریعت کے

ماہر علماء شریعت کے پاس جانا، اُن سے تحقیق کرنا نصیب اعدا، وکیلوں کی دربار داری، حاضر باشی کرتے کرتے جوتیاں ٹوٹ جائیں مگر ارباب شریعت جن کی صحبت اکسیر کیمیا سے بھی زیادہ موثر ہے اُس کی خدمت و حاضر باشی کی توفیق نہ ہوگی اور پھر کریلا اور نیم چڑھا کہ اگر کوئی بندۂ خدا امرِ حق کی تلاش میں کسی مسئلہ کی تحقیق کے لئے اُن کی بابرکت خدمت میں حاضر ہونا چاہے تو بمصداق یصدون عن سبیل اللہ (وہ اللہ کے راستے سے روکتے ہیں) کوشش کی جائیگی کہ کسی طرح وہ نہ پہنچ سکے۔ الہٰ العالمین یہ کیسا انقلاب ہوگیا کہ وہ شریعت جو دوامی اور غیر منسوخ ہونے والی چیز ہے اُس کو محدود اور مخصوص سمجھ کر قابل عمل اور لائق اتباع نہ سمجھا جائے۔ افسوس، افسوس کیسے نڈر ہیں، کیا دیدہ کی صفائی ہے کہ کھلم کھلا کہا جاتا ہے کہ صرف لا الٰہ الا اللہ کہنا کافی ہے باقی سب ڈھکوسلا، شریعت کے اور ضروریات ایسی ضروری چیز نہیں جن کا انکار و عدم تسلیم مانع نجات ہو سکے۔ حد سے بڑھی ہوئی آزادی تو دیکھئے کہ صاف طور پر کہا جاتا ہے کہ قانونِ شریعت کی پیروی اُن ہی تقلید پسند طبائع کو مبارک رہے جن کے سینے مغربی تجلیات سے بے بہرہ ہیں، ہم مسجد کے ملا نہیں، حجرہ نشین نہیں، لکیر کے فقیر نہیں، پرانے خیالات کے مسلمان نہیں، وقتی مصلحتیں، زمانہ کی ضرورتیں ہم خوب سمجھتے ہیں۔ نیوٹن وغیرہ کفار کی تحققات مفیدہ سے ہمارے سینے معمور ہیں، ہمارے غیر معمولی دماغ میں اختراع و تجدید کی قوت پیدا ہے، سڑے بسے پرانے قوانین کا نفاذ ہم پر نہیں ہوسکتا۔ ہائے افسوس کہ غلطی سے، ناواقفی سے نہیں، سمجھ کر، دیدۂ و دانستہ قوانین شریعت کی بے وقعتی کی جاتی ہے۔ قوانین شریعت کی رو سے اگرچہ کسی امر کی صریحی ممانعت ثابت ہو، مگر چند روزہ دنیاوی منفعت کی توقع پر اُسی ممنوع کو عمل میں لانا ضرور، یہ نہیں کہ کوئی جاہل، ناواقف، یا غریب، مفلوک الحال اسی آفت میں مبتلا ہو نہیں نہیں مرفہ الحال، پڑھے لکھے حضرات کے بھی یہی شیوے ہیں۔ دور کے رشتہ دار یا شاگردوں کی خاطر ضروریاتِ شرع کو مہمل بتا دینا آج کل کے علماء اور مفتیانِ شریعت کا یہی کام ہے، البتہ اس گروہ کے مراتب میں فرق ضرور ہے، کسی کا نمبر گھٹا ہوا اور کسی کا بڑھا ہوا، کوئی کہتا

ہے کہ میاں شریعت کی پیروی اچھی بات ہے، قوانین شریعت ایک سے ایک عمدہ، لیکن یہ بھی تو سوچو کہ ہوتا وہی ہے جو قدرت کو منظور ہے اور قدرت اپنے ارادہ میں ہر بات مقرر فرما چکی، اُس نوشتۂ تقدیر سے سرِ مو تجاوز ہو سکے یہ کہاں ممکن، اتباع شریعت کا بڑا نتیجہ یہی ہے اُس کا عمدہ پھل اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ دوزخ سے بچیں، بہشت کی ہوا کھائیں، اگر ہمارے لئے بہشتی سیر گاہ مقرر اور متعین ہو چکی ہے تو دوزخ کی خطرناک سختیاں ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہیں اور اگر قدرت کو یہی منظور ہے کہ ہم کو دوزخ کی جلتی آگ میں جھونک دے تو ہم لاکھ محنت کریں، مشقت اُٹھائیں، شریعت کے اتباع میں جان کھپا دیں مگر ہماری ساری کوشش رائیگاں اور فضول، رہیں گے وہی دوزخی۔ تف اور ہزار تف اس ہٹ دھرمی پر اور اس دریدہ دہنی اور بے شرمی پر لعنت کہ ظنیات پر اعتماد و وثوق رکھیں اور خدا و رسول کے احکام ماننے میں یہ موشگافیاں، غیر ملک کے باشندہ، غیر قوم، مخالف مذہب ڈاکٹر کی مجوزہ کڑوی دوا پیتے وقت نوشتہ تقدیر کا کبھی خیال نہ آیا، بھوک کے وقت مال حرام تک ڈکار جائیں اُس وقت قدرتی لکھے ہوئے کا خیال آ کر بھوکا نہ بیٹھا گیا۔ کون نہیں جانتا کہ دنیا اُس کھیتی کا نام ہے جس منافع و فوائد سے آخرت میں ہم ضرور متمتع ہوں گے۔

بعض انھیں سے ملتے جلتے وہ حضرات بھی ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ میاں شریعت شریعت کیا کہے جاتے ہو، شریعت کی پیروی کوئی آسان کام ہے، ہاں مشکل اور سخت مشکل ہے۔ شریعت کا اتباع کرنے والا (یعنی بندہ) اولاً تو اُس کی بساط ہی کیا، کمزور اور نہایت ضعیف، ثانیاً اتباع شریعت سے روکنے والے زیادہ، مدد دینے والے کم، زمانہ الگ نا مساعد، دنیاوی ضرورتیں جدا دامنگیر، نہ فرصت نہ فراغت، عمر اتنی قلیل کہ بھلا کیا آئے اور کیا رہے، پھر بھلا کون ایسا سخت جان ہے جو اس دشوار گزار راہ میں قدم اُٹھا سکتا ہے اور کس میں یہ طاقت ہے جو اس راستہ منزل مقصود تک پہنچ سکے، جب ہم نے شریعت سے کسی طرح بنتی ہی نہیں دیکھی لہٰذا مجبوراً ہم تو بالکل ہی چھوڑ بیٹھے، بہر حال اگر آج شریعت کو دیار ہند میں نیم جاں کہا جائے تو صحیح، بے دست و پا بے یار و یاور کہا جائے تو درست ہے۔

تصوف کی کایا پلٹ۔

تصوف کی کایا پلٹ جو ہوئی ہے وہ بھی نہایت پُر درد اور اندوہناک داستان ہے۔ ہائے کج فہمی کہ بغیر زینہ کے چڑھ جانے کا قصد ہے، بغیر بنیاد کے عالیشان عمارت بنانے کا سودا اُٹھا ہے، درخت کو کاٹ کر پھل کھانے کی ہوس ہے، احکام شریعت مصطفویہ جو ہمیشہ تک عام رہیں گے، زمانہ حال کے صوفیہ کا خیال ہے کہ ہم اُن سے مستثنیٰ ہیں، اوامر کی تعمیل، منہیات سے احتراز، اہل شرع پر ضرور ہے، ہم نے تو فقیری کے کوچہ میں قدم رکھا ہے، جس عالم میں ہم ہیں وہاں ان ظاہری احکام کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔ داڑھی مونچھ بلکہ چہار ابرو کا صفایا، بھنگ چرس زہر مار کریں، جس وقت کونڈھی میں سونٹا پڑا، پیروں کو پیغمبروں سے بڑھا دیا، لنگوٹ تسمے باندھ لئے گلے میں توبڑا لٹکا لیا، زنبیل ڈال لی اور لگے بے تکی ہانکنے، کیسی نماز اور کس کا روزہ، اول تو وہ سنتے ہی کس کی ہیں اور اگر کسی زبردست نے اُن کو سمجھایا کہ اے جناب! کیا امت محمدیہ کے شمول سے آپ کو انکار ہے، یہ نماز روزے سے نفرت کیسی؟ تو جواب دینگے کہ ہم کو ظاہری روزہ نماز کی کیا ضرورت ہے، ہر وقت ہم حضور و سرور میں رہتے ہیں۔ ہائے کیا پُر آشوب زمانہ ہے، شیطان نے کیسا مغالطہ دیا ہے کہ نماز روزہ، جملہ طاعات و عبادات اُسی وقت تک مامور بہا ہیں جب تک یقین نہ حاصل ہو اور ہم کو تو عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہے۔ قیود شرعیہ کی ہم کو کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ برا ہو اس جہالت کا کہ یہ طوفان اُسی کا اُٹھایا ہوا ہے، شریعت کے ساتھ جو عناد ہے وہ ظاہر، اُسے کیوں سیکھنے لگے تھے، طریقت کی دشوار گزار راہ میں کون قدم دھرے مگر مرجع خلائق بننا بھی ضرور، ایسی حالت میں جو ذراسڑی بسی شاعری کا مذاق ہاتھ آ گیا تو پھر کیا تھا، لگے بے پر کی اُڑانے، کہیں کسی ولی یا اپنے معتقد علیہ کے مقابلہ میں انبیاء کرام پر چوٹیں، کہیں رسل ملائکہ کے پر کتر دیئے، کہیں سیدنا جبرئیل علیہ السلام کو چوہا اور جناب سرور انبیا ﷺ کو اونٹ کہہ دیا، کہیں خدا کو آئینہ میں لا اُتارا، کبھی پست ہمتی اور اپنی محرومی قسمت سے علم کو حجاب اکبر بتا کر اپنے عیب جہالت کو چھپانا چاہتے ہیں، کبھی دنیاوی منفعت کے لالچ سے یوں ارشاد ہوتا

ہے کہ ہماری وحدت پسند نگاہ میں شیعہ سنی وہابی نیچری سب برابر ہیں، سب اچھے ہیں، کوئی مذاق تصوف سے بیگانہ یوں ہرزہ سرا ہے کہ وصول الٰہی کے لئے اسلام مشروط نہیں۔ ہندو اپنے مذہب پر قائم رہے اور ہم اُس کو خدا تک پہنچا سکتے ہیں، شہوت پرستی بوالہوسی ملاحظہ ہو کہ فاحشات رقاصات کو بڑی آؤ بھگت سے مرید کیا جاتا ہے۔ اُن کو اپنی خاص خلافت عنایت ہوتی ہے۔ شرم، شرم، شرم، جوان عورت، خوبصورت عورت، بانکی ترچھی عورت، نوجوان کو اپنے باطنی فیوض اندرونی کمالات سے مشرف کرے، معارف دقیقہ کا اُس سے انکشاف کیا جائے، ادھر خوبصورت کم عمر عورت نے تان پر سُر نکالا، اُدھر شاہ جی عرش پر پہنچ گئے، لمبے لمبے پاؤں پھیلا دیئے، کپڑے اُتار کر پھینک دیئے، بیعت نہیں، اجازت نہیں، آنکھ سے دیکھا تک نہیں مگر خلیفہ اکمل بن بیٹھے، اب کیا ہے سگ زرد برادر شغال، ویسے ہی کثیف طبیعت اور دو چار اُڑانے والے، بانس پر چڑھانے والے مل گئے، پھر تو تشنگان مئے عرفان کی سیرابی ان ہی کے چھینٹوں پر منحصر ہے۔ ہائے سمجھ کا پھیر، قسمت کی بدی، نہایت اصرار کے ساتھ تلقین ہوتی ہے کہ میاں کوئی کچھ کیوں نہ کہے، ایک نہ سنو، حدیثوں کا کیا اعتبار، قرآن وحدیث والے بھلا ہمارے اسرار معرفت کو کیا جانیں، وہ تو سب کے سب اس کوچہ سے نا آشنا ہیں، ہم تو جس کا کھائیں گے اُسی کا گائیں گے ہاں محمد ﷺ نے اللہ سے جو کچھ دینا تھا وہ علی کو دے دیا، ہم تو بس اُسی ایک کو جانتے اور مانتے ہیں جو کچھ ہے مولیٰ ہے۔ ہاں خدا اور اُس کے رسول کو تو جانے دو، اُن کے سوا دوسرا اور کون ہے جو مولیٰ علی سے افضل ہو۔ خلفاء ثلثہ تو کس شمار و قطار میں ہیں۔ مولیٰ علی نفس نبی، انبیا سے بھی افضل واعلیٰ ہے بھلا ابراہیم خلیل کو مولیٰ علی سے کیا مناسبت مولیٰ علی نفس نبی، برادر نبی، وصی نبی، خویش نبی اور ابراہیم خلیل فرزند آذر، ہاں یاں سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کمال توہین و تحقیر بلکہ تضلیل وتکفیر بھی اِن صوفیہ کے ضروریات میں داخل ہے۔

زمانہ حال کے صوفی علماء شریعت کے بدخواہ۔

زمانہ حال کے صوفیہ کو علماء شریعت کے ساتھ جو لاگ ہے وہ بھی حسرت ناک کہانی

ہے۔علماء شریعت کے وعظ و بیان کی شرکت سے کامل حذر، وہ مجالس متبرکہ جن میں قرآن و حدیث کے دلکش چرچے ہوں، وہ محافل جن میں صحابہ عظام واہل بیت کرام کے فضائل کا بیان ہو، وہ مجالس مقدسہ جو ممنوعات شرعیہ رقص وسرود سے پاک ہوں، اُس سے کوسوں دور بھاگیں، ایسی مقبول مجالس کے انعقاد سے کلیجہ پر سانپ لوٹ جائے، قدرتی فیوض، نوری جلوے آنکھوں میں کھٹکتے ہیں، بمصداق یریدون ان یطفئوا نور اللّٰہ بافواھھم (وہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دینا چاہتے ہیں) اکابر شریعت کی تحقیر کا بیڑا اُٹھاتے ہیں۔مگر کسی کے بس کی یہ بات نہیں کہ آفتاب پر خاک ڈال سکے۔ واللّٰہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون (اللہ اپنے نور کو مکمل کرنے والا ہے اگر چہ یہ کافروں کو ناگوار گزرے) خود ہی خائب وخاسر ہوتے ہیں، اگر کسی ہادی مذہب، خیر خواہ قوم نے دوستانہ نصیحت کی کہ بالفرض آپ کے خیالات معارف کی پڑیہ یہی ہے، لیکن ہماری اسلامی عقول اُن کے درک سے قاصر ہیں پھر ایسے مجمع میں جہاں آپ کا ہم خیال دوسرا نہ ہو اگر اُس وقت اپنے خیالات شریفہ کا اظہار نہ کیا جائے تو کیا قباحت ہے۔یہ معارف کی باریکیاں ہوں یا آپ کا مذاق تصوف جو کچھ بھی ہو اپنے مخصوصین، اپنے ہوا خواہ، مریدین و معتقدین کو اپنی کوٹھری میں بیٹھ کر سکھایئے، پڑھایئے، ہمارے کان ہمارے دل ان کلمات کے سننے کو برداشت نہیں کر سکتے۔اب ذرا اس مشفقانہ نصیحت کو دیکھئے اور ذات شریف کے طبعی مادہ پر غور کیجئے کہ آنا جانا ترک علیک سلیک موقوف، چیلے چپاٹوں کو ایسے حامیان شریعت کی بدگوئی کی تلقین کی جائے گی، شریعت مطہرہ کے استخفاف کا سبق دیا جائے گا۔

علماء زمانہ کو صوفیہ کرام کے ساتھ بدظنی-

علماء زمانہ کو جو صوفیہ کرام کے ساتھ جو بدظنی ہے وہ بھی عبرتناک سانحہ ہے جن کو دعویٰ ہے کہ سنت کے سچے پیرو، سچے حامی ہم ہیں، اہل حدیث ہم ہیں، سچے موحد ہم ہیں، اُن کا طرز معاشرت جو خدا کے محبوبین کے ساتھ ہے اگر غور کیجئے تو قیامت نما واقعہ ہے۔حضرات صوفیہ رضوان اللّٰہ علیہم اجمعین جن کے بعض کلمات کے معانی ظاہریہ، ظاہر شرع کے مخالف

مفہوم ہوتے ہیں، جن کا صدور حالتِ سکر و بے ہوشی میں ہوا، جن کے معانی ظاہر یہ سے وہ خود بعد افاقہ تحاشی پکارتے تھے لیکن کوئی عذر مقبول نہیں۔ معاذ اللہ وہ کافر، کافر، کافر۔ شرائط کی رعایت کے بعد اگر کسی مستغرق فی اللّٰہ و تارک عن الدنیا نے سماع سنا، وجد آ گیا تو وہ گمراہ، دوزخی نچکیا کا لقب دیا جائے گا۔ حضرات مشائخ عظام کے مزارات متبر کہ کے شہید کرنے کی فکریں ہوں گی اُن کی جنت نشان درگاہیں اور معابد مشرکین دونوں کی نسبت ایک حکم صادر ہوگا، ان حضرات کے کشف و کرامات کو سحر بتائیں گے، مشائخ طریقت کے مزارات کی حاضری شرک و بدعت قرار پائے گی، بکمال جرأت کہا جائے گا متقدمین سے لے کر متاخرین تک جس قدر اکابر طریقت گزرے ہیں اُن میں کوئی بھی سچا موحد نہ تھا، جس چیز کو وہ توحید سمجھتے تھے وہ سراسر شرک تھا، نفس کے دھوکے سے تاریکی کو نور سمجھ لیا تھا، خلاصہ یہ کہ اکابر طریقت کی بدگوئی کو اپنے فرائض اسلامیہ میں شمار کر لیا ہے۔

فقہ کی بے وقعتی۔

فقہ کی بے وقعتی کا تو کچھ ٹھکانہ ہی نہیں، افسوس، افسوس، افسوس کہ اپنی آنکھوں پر پٹی بندھی ہے۔ سواری میں ناقۂ عمیا، رہبر کوئی ساتھ نہیں، با ایں ہمہ منزل مقصود تک پہنچنے اور پہنچانے کا دعویٰ ہے۔ اپنی ناقص عقل، اپنی کج فہمی، اپنی جہالت کے سامنے حکماء امت محمدیہ یعنی فقہا کرام و مجتہدین عظام کے کامل غور و تحقیقات بلیغہ اُن کی غیر معمولی کوششوں کو پس انداز کر دینا قرآن مجید، مشکوٰۃ شریف کا اردو ترجمہ دیکھ کر ائمہ اربعہ بالخصوص امام الائمہ سراج الامۃ حضرت نعمان کوفی و دیگر فقہاء کرام پر لعن و طعن کی بوچھار کیسی کھلی گمراہی ہے، اپنی بے بضاعتی پر نظر نہیں اور نخوت و غرور عجب و خود بینی کا یہ زور کہ ائمہ مجتہدین کی نہ فقط ہمسری کا دعویٰ بلکہ اُن پر شب و روز تبرّا کیا جاتا ہے۔ کیسا اندھیر ہے کہ نظام شرع درہم برہم کرنا چاہتے ہیں، جو آیت، جو حدیث اپنی ذاتی منفعت کی ملی اُس کو دلیل بنا کر عوام کو بہکانے پر آمادہ، فتویٰ دینے پر مستعد ہیں، بچہ بچہ مجتہد ہے۔ لاکھ بار سمجھاؤ کہ معمول بہ تمہارا منسوخ ہے واجب التاویل ہے ضعیف ہے، دوسری آیت، دوسری حدیث معارض اقویٰ

موجود،لیکن جو سمجھنے کا قصد نہ کرے اُس کو کون سمجھا سکے؟

کس قدر واضح اور کھلی ہوئی بدیہی بات ہے کہ قانون قدرت کے تعیین مطالب میں اگر صرف عربی زبان کا سمجھنا کافی متصور ہوتا تو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اظہار ظاہر،تحصیل حاصل میں اپنے عزیز اوقات کو صرف نہ کرتے ، پھر کس قدر ظلم شدید اور ناانصافی ہے کہ قرآن وحدیث سے استخراج مسائل واحکام، دریافت اسرار و دقائق کے لئے صرف اردو پڑھ سکنا کافی سمجھ لیا جائے ،کیا بے شمار پیشوایان اسلام جو گذرے جن کی وساطت سے احادیث مصطفویہ ہم تک پہنچیں، کیا وہ تقلید شخصی کے منکر تھے ،نہیں مقلد اور پکے مقلد۔کیا معاذ اللہ ان مقبولان خدا کی یہ ساری جماعت مخالف رسول و بدعتی تھی ، بفرض محال تم ہی سچے اور تم ہی موحد باقی سب بدعتی ،لیکن جب موجودہ قرآن ، موجودہ احادیث جن کے توسط سے تم کو ملی ہیں اور وہ سب کے سب معاذ اللہ مخالف رسول اور بدعتی ،تو نہ قرآن قابلِ وثوق رہا، اور نہ احادیث کا کوئی اعتبار، اب تم کو مناسب ہے کہ یا تو اسی تواتر و کثرت کے ساتھ قرآن و حدیث کی سند اپنے جیسے موحدین سے ثابت کر دکھاؤ یا موجودہ قرآن وحدیث سے دست بردار ہو جاؤ، بنی آدم کا جانی دشمن ابلیس لعین اُس کے مکائد انواع واقسام کے ہیں، کسی کو یوں گمراہ کر دیا اور کسی کو یہ پٹی پڑھائی کہ فلاتسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون اب بھلا اپنے شفیق اُستاد ابلیس پر تلبیس کا دیا ہوا سبق کب بھولنے والے ہیں۔خود بدولت کو یا تو لیاقت نہیں یا شعر شاعری، ہنسی دل لگی، بیہودہ مذاق و تمسخر سے فرصت ندارد، عبا، قبا، جبہ عمامہ دیکھ کر بے چارہ جاہل مغالطہ میں پڑ گیا، مسئلہ دریافت کرتا ہے اب اگر صحیح مسئلہ بتائیں تو غور وفکر کی کون تکلیف اٹھائے ، اگر یہ کہتے ہیں کہ معلوم نہیں، تو شیخی کرکری ہوئی جاتی ہے پس یہی مناسب ہے کہ غلط سلط جواب دے کر چلتا کیجئے۔

عقائد کی پختگی قابل ملامت۔

عقائد کی پختگی اس درجہ قابل ملامت ہے کہ اُس پر سخت تاسف کیا جاتا ہے،عقائد کی

پختگی تعصب سے تعبیر کی جاتی ہے۔ مسلمانوں کے ادبار کا باعث یہی تعصب ٹھہرا کر اُس کے ترک پر نہایت فصیح و بلیغ لکچروں میں زور دیا جاتا ہے، اسی غرض سے جابجا کمیٹیاں قائم ہیں، کامل الایمان عقائد کے مضبوط مسلمان پر لعن طعن کی بوچھار ہوتی ہے کہ فلاں شخص نہایت سخت ہے، اُس کے پاس نہ جاؤ اُس کی بات نہ سنو، چلتی دنیا ہے موقع محل دیکھنا چاہیے کچھ وصول ہونے کی امید ہو، ہاتھ آتا ہو تو ذرا دیر کے لئے دوسرا عقیدہ کیوں نہ ظاہر کر دیجئے، ہائے افسوس کہ دنیا کی تمام موجودات میں حقیر اور ذلیل چیز مذہب سے زیادہ اور کوئی نہیں، آبرو جاتی ہو تو مذہب کو صدقہ کر دیجئے، مال جاتا ہو تو مذہب کو دے کر اُس پر قبضہ کیجئے غرض کہ مذہب بچوں کا کھلونا ہے کھیلتے رہے اور جس وقت جی میں آیا توڑ دیا، بازار سے دوسرا منگا لیا۔

بدمذہبوں کے ساتھ میل جول۔

بدمذہبوں سے بغض و عداوت کے بدلے اُن سے میل جول، اُن کی تعظیم و محبت فرض بتائی جاتی ہے۔ بدمذہبوں کی ہوا خواہی، بدمذہبوں کی حمایت، بدمذہبی کی اشاعت، بدمذہبوں کی تعظیم و تکریم میں سعی کرنا آج اسی قوم میں فخر سمجھا گیا ہے، بدمذہبوں سے نفرت رکھنا، اُن کی تحقیر و تذلیل خلاف اسلام ٹھہری ہے، خالص اسلام ٹھیٹ اسلامی یگانگت کا مقتضا بھی ہے، کہ مبتدعین کی تعظیم، مبتدعین کی محبت فرض سمجھو، کسی مبتدع سے بغض رکھنا دین محمدی سے سراسر انحراف ہے۔ مبتدعین ظاہر ظہور اپنی پُر ضلالت تقریر سے مذہب و ملت کی توہین کریں اور ان کی پیشانی پر بل نہ آئے اور پھر اس پر بھی قناعت نہیں بلکہ اپنے ان مذہب شکن خیالات کو پبلک میں اس دعویٰ کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی بہبودی، مسلمانوں کی اصلاح حال کے یہی ذرائع ہیں وبس۔ اگر تائید اسلام کے لئے کسی نے فرق مبتدعین کے اوہام کا ابطال کیا، اُن کے متعدی شر سے قوم کو بچانے کے لئے مبتدعین کے مکائد شیطانیہ کو کھول دیا تو بڑی بڑی اور نیچی داڑھی والے اُس قومی خیر خواہ، حامی مذہب کی توہین، برا کہنے پر اُدھار کھائے پھرتے ہیں کہ مذہب کی توسیع ناپسند ہے،

نا اتفاقی پھیلانا چاہتے ہیں، مذہبی چھیڑ چھاڑ کی کیا ضرورت ہے، مبتدعین کی تعظیم وتکریم مبتدعین کی محبت سے کیا دھرم بھرشٹ ہو جائے گا، قہر الٰہی نہیں تو اور کیا ہے کہ اسلام کے سچے ہوا خواہوں سے بگاڑ کر دشمنان مذہب کے ساتھ ہم پیالہ، ہم نوالہ بنیں، مذہبی نصیحت پر عمل کرنا کیسا، بہ تکرار واصرار مخالفین مذہب کی صلاح پر مذہبی کارروائی کی جاتی ہے۔

مجالس فسق و فجور میں انہماک۔

مجالس فسق و فجور میں یہ انہماک کہ بغیر بلائے دوڑے جائیں، ہمارا روئے سخن عامی، بازاری حضرات کی طرف نہیں، ہمارے مخاطب وہ نہیں جن کو اپنی سفاہت، اپنے علم، اپنی ولایت کے بڑے لمبے چوڑے دعوے ہیں، ڈوب مرنے کی بات ہے کہ یوروپ کے باشندے، مذہب کے عیسائی بھری مجلس میں پوچھیں کہ ''دل تم مسلمان ہو کر ناچ دیکھنا برا نہیں سمجھتا؟'' ہائے غیرت کیا ہوئی وہ قوم جس کے مذہب میں شراب نوشی ناروا نہ ہو، مسلمان اُس کی چاپلوسی، خوشامد میں منگائیں اور وہ شراب نہ پیے۔ شرم نہیں آتی کہ مذہب کے عیسائی بازاروں میں فاحشات کے بیٹھنے کی ممانعت کریں اور اہل اسلام اور اُن میں بھی وہ جو مدعی ولایت وعرفان ہیں نہایت اصرار سے، منت سماجت سے دعوت دے کر بلائیں، اپنی مجالس کو اُن سے زینت دیں، ہائے کیسا اندھیر ہے کہ اگر منع کرو سمجھاؤ تو کہہ دیں کہ ناچ کہاں نہیں ہوتا، بڑی بڑی درگاہوں میں ہوتا ہے اور خیر برا بھی سہی مگر پھر کیا کیجئے کہ بغیر اس کے محفل کا جماؤ تو نہیں ہوتا، ساری رونق اور ساری ہوحق تمام جلوس تو اسی کے ساتھ ہے۔

بدعات کی ترویج۔

بدعات ومنکرات کی یہ ترویج کہ دامے درمے قدمے قلمے ہر قسم کی تائید پر زور دیا جاتا ہے، بدعات کی ترویج پر وہ بلیغ کوشش ہوگی جس کا عشر عشیر بھی فرائض و واجبات میں نہ مل سکے، جس دلی شوق اور فوری جوش کے ساتھ بدعات نا مشروعہ کے ارتکاب میں جان کھپا دیں گے اُس کی نظیر کسی شرعی ضرورت کے وقت بہم ہو سکے یہ ہرگز نہ ہوگا، شب عاشورا کو

حضرت سیّد الشہداء رضی اللہ عنہ کی روح پُرفتوح سے استفاضۂ برکات کریں ادھر کون خیال کرے، یوم عاشورا نماز پڑھیں، روزہ رکھیں، قرآن مجید کا ختم کریں اس طرف کبھی توجہ نہ ہوگی۔ رات بھر اسے تاکا اُسے جھانکا، سانگ بنائے تماشے دیکھے، دن بھر خاک چھانی، حقّے پانی اُڑائے، تعزیوں کے ساتھ ننگے پاؤں، برہنہ سر مصنوعی کربلا تک گئے۔ تعزیوں کے طواف کئے، فتح نامہ یزید سنا، گھر چلے آئے۔ یہ ناروا افعال یہ شیطانی حرکتیں کس کی ہیں، نہ فقط عوام کی بلکہ وہ بھی شریک ہیں جو پڑھے لکھوں میں شمار کئے جاتے ہیں جن کو اپنے سنّی اور حضرات صوفیہ کرام کے پیرو اور اُن کے فدائی ہونے کا بھی اقرار ہے۔

تہذیب کی تخریب۔

تہذیب کی وہ تخریب کہ کبھی دیکھی سنی نہ ہو، ایک شور مچا ہے کہ ہم مہذب قوم ہیں، تہذیب پروردہ ہیں، ہائے قوم میں تہذیب کا نام نہیں، ہاں تہذیب سیکھو، تہذیب سیکھو مگر کون سی تہذیب وہی نیچری تہذیب، وہی تہذیب جس کے اثر سے بیٹھ کر پیشاب نہ کرسکو، وہی تہذیب جس کی تعلیم سے تھیٹروں میں روپ بھر سکو، وہی تہذیب جس پر عمل کرنے سے مسلمانی رخصت ہوجائے، وہی تہذیب جس کے آنے کے بعد شاگرد اُستاد کی مخالفت پر آمادہ، بیٹا باپ کے مقابلہ پر کمر بستہ، مرید پیر کے انکار، پیر سے انحراف پر ایستادہ ہو جائے، وہی تہذیب جس کے اثر سے کوئی مخالف مذہب بات تمہارے دلوں پر گراں نہ گزرے، وہی تہذیب جو تمہارے دلوں میں قرآن وحدیث میں مختلف مواضع پر اگرچہ مبتدعین کو دجال کذاب خبیث کلب مفتری وغیرہ القاب سے یاد کیا گیا ہے مگر غور کیجئے تو فی الحقیقت ان الفاظ کا اطلاق بڑی بے تہذیبی ہے۔

حفظ مراتب سے غفلت۔

حفظ مراتب سے وہ آن بنی کہ خدا کی پناہ، انبیاء کرام کی مدح میں یہ افراط کہ مرتبۂ الوہیت تک نہ پہنچا دیا تو بات ہی کیا ہوئی، اہل بیت عظام کی منقبت میں جب تک مرتبۂ نبوت کی تحقیر نہ ثابت ہو محبت اہل بیت کا ثبوت دشوار، اولیاء کرام کی تعریف میں اگر حضرات

صحابۂ کرام کی تنقیص نہیں تو خوش اعتقادی کیسے ظاہر ہو، ماں باپ کے حقوق سے چشم پوشی، شریف اور پاکدامن بی بی گوشۂ تنہائی میں پڑی ہوئی فاقہ کی مصیبت اٹھائے اور خاوند ہیں کہ گل چھرّے اُڑاتے ہیں۔ اگر تنگ آکر بی بی نے نان ونفقہ کی نالش کردی تو کمال حقانیت سے صاف مکر گئے کہ میری بی بی ہی نہیں، اعیان دین وملت جو شریعت کو دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑے ہوئے ہیں، شریعت کی رونق، طریقت کی زینت عرفان کی مجسم صورت ہیں اُن کا دل دُکھانے، اُن کو ستانے میں ذرا باک نہیں۔ ان بدنصیبوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ توبہ کریں، خدا و رسول سے نہ بگاڑیں، قیامت کے روز جاں سوز سے ڈریں، اِن بابرکت حضرات سے اپنی خطائیں معاف کرائیں، اُن کے برکات وفیوض سے مستفید ہوں۔ سوجھتی ہے تو یہ کہ اُن کے استخفاف اُن کی توہین کے لئے مشورے کئے جاتے ہیں سچ ہے ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

جس نے کھلایا پلایا، لکھایا پڑھایا اُس کے عظیم احسانات کی ناشکری آج اسی قوم میں نہایت ترقی پذیر ہے۔

دیگر اقوام کے فنون کی تحصیل کا زہریلا اثر-

دیگر اقوام کے فنون کی تحصیل کا جو زہریلا اثر مشاہدہ کیا جاتا ہے اُس کے زیادہ توضیح و تشریح کی ضرورت نہیں، افسوس وہ قوم جس کی غرض یونانی فلسفہ کی تحصیل سے مذہبی تائید، بدمذہبی کا ابطال تھا آج وہی قوم خیالی ڈھکوسلے یعنی جدید فلسفہ میں اس غرض سے مہارت پیدا کرتی ہے کہ دین وملت پر اعتراض جمانے کا موقع ہاتھ آئے، اگر کوئی یوروپین دوربین کے ذریعہ سے کسی امر کا مدعی ہوا تو اُس کے خلاف پر متعدد آیات واحادیث موجود ہوں دلائل یقینیہ عقلیہ کیوں نہ اُس خیال کا ابطال کریں، بیسوں جگہ محسوسات میں بصر کا بر سر غلط ہونا کیوں نہ بداہۃً ثابت کر دیا جائے مگر نص قرآنی غلط، احادیث مہمل، دلائل یقینیہ بے کار اور صاحب بہادر کا شکم زاد خیال قطعی یقینی۔ مفسرین کرام اپنی قوی اسناد کے ساتھ ایک امر ثابت کریں، قرآن کی ظاہر نص بھی اُسی کی موید ہو، یہود و نصاریٰ کے کسی مورّخ نے اُس

کی خلاف لکھ دیا تو کمال تحقیق وحقانیت یہی ہے کہ مفسرین کرام کے ساتھ تمسخر کیا جائے۔

شاعری کی ابتری۔

شاعری کی ابتری بھی دیدنی ہے، شاعری کا فروغ اس سے ثابت نہیں ہوسکتا کہ اُس کے نام لیوا زیادہ ہو جائیں، شاعری کی ترقی یہ نہیں کہ ہر چھوٹا بڑا گنگنا اُٹھے، ہر گلی کوچہ میں برساتی کیڑوں کی طرح شاعر نکل پڑیں۔ ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس وسعت اور عام مشق میں اُس فن کے جاننے والے کس قدر ہیں؟ ہاں اس وقت شاعری کا نام بدنام کرنے والے بے شمار، مگر شاعر بہت کم ملیں گے، خیر عربی شاعری کو چھوڑیئے آج کل کی اردو شاعری کا بھی شیرازہ منتشر ہے۔ غور کیجئے تو اُس کا بھی کوئی پہلو ٹھیک نہیں، وہ نامی گرامی شعراء جو اس فن خاص کی مستند اور مسلم مانے گئے ہیں موجودہ شاعری اُن کے خیالات کے بالکل مخالف، الفاظ دیکھئے تو بھدے، مطالب پر نظر ڈالئے تو وہی کہ دندان تو جملہ در دہان اند، متروک محاورات پے چیدہ بندش، اُلجھے ہوئے خیالات، ساری غزل دیکھ جایئے ایک مصرع بھی آمد کے لطف کا نہ ملے گا اور اُس پر سارا دارومدار، نیاز کی خاطر حلوا، حلاوت پکانا، نیاز مندی کی بھرتی ایک ہی شعر میں دیکھ لیجئے۔ روزمرہ کے عمدہ الفاظ چھوڑ کر بھاکا کے الفاظ داخل کرنا قوم کی حالی شاعری کا سرمایۂ ناز ہے۔

دنیاداری دین سے بےزاری۔

دنیاداری ہے تو دین کے مزاحم، روپیہ کیسا حلال اور کس کا حرام، جس طرح بنے دنیا کمائے جاؤ، انسانی ترقی کی غایت صرف فراہمی مال وزر ہے باقی سب ہیچ۔ روزہ نماز و دیگر شرعی قیودات میں اگر کوئی کارآمد اثر ہے تو اُنھیں مسجد کے ملاؤں کے لئے جو مفلس و نادار ہیں۔ اگر ایک بھائی غریب ہے تو مالدار بھائی کو اُس کے پاس بیٹھنے سے عار و ننگ، شراب و کباب، ناچ رنگ میں ہزاروں روپیہ اڑا دیں مگر غریب بھائی اُس مال و دولت سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔

معزز حضرات! اگرچہ آپ کے ملاحظہ میں اس وقت قوم کے عروج وزوال، ترقی و نزول، اقبال وادبار، صلاح وفساد کی بابت نہایت اجمالی رپورٹ پیش کی گئی، اس قوم کے انقلاب کا پورا فوٹو کھینچنے کے لئے ہم کو کافی وقت نہ مل سکا۔ اس قوم کے انقلاب کی سرگزشت جس قدر آپ کو سنائی گئی وہ مختصر اور بہت مختصر ہے مگر جس کو قدرت نے غور وفکر کا کچھ بھی مادہ دیا ہے اُس کے حق میں یہ پُردرد، عبرت انگیز داستان ضرور ایک شفیق اُستاد کا کام دے سکتی ہے، سمجھ دار کو اُس سے کار آمد اور عمدہ سبق لینے کا کامل موقع اور کافی ذریعہ حاصل ہے۔ تھوڑے غور، معمولی فکر میں اپنی حقیقی اچھائی اور برائی میں کامل امتیاز پیدا ہو جانا لازمی اور ضروری ہے، خدا نہ کرے کہ آپ اپنی ناروا ضد پر تلے رہیں، بے قیدی وآزادی کے جادہ سے سرک جانا خلاف مصلحت تصور فرمائیں، منصف مزاجی کو کام میں نہ لائیں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ آپ کسی دوسرے کے ستائے ہوئے نہیں ہیں، آسمان کو ظالم، دہر کو غدّار ٹھہرانا مورد الزام بنانا انصاف سے دور ہے۔ یہ قیامت خود آپ نے اپنے ہاتھوں اپنے سر پر قائم کر رکھی ہے، اپنی جانوں پر خود آپ نے ظلم کیا ہے مصیبت ونکبت کا آسمان خود آپ کے اختیار سے آپ پر ٹوٹا ہے مگر یہ بھی کتنی بڑی بات ہے کہ آپ کے ساتھ کسی کو رعایت منظور ہے کہ اپنی حالت سنبھالنے میں آپ دوسروں کے دست نگر نہیں ہیں۔ غیر کا بار منت اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ حضرات! ذرا دل کے کانوں سے سنئے کہ آپ کو اپنی ترقی اپنے عروج اپنی اصلاح حال کے ذرائع واسباب کی تلاش وجستجو میں گھر سے باہر قدم اُٹھانا نہ پڑے گا، آپ صرف اتنا غور کر لیجئے کہ آپ کیا تھے اور کیا ہو گئے اس کوشش میں کامیابی کے بعد آپ پھر بڑی سی بڑی پچھلی ترقی کو حاصل کر سکتے ہیں۔ ولنعم ماقیل

دواءک فیک ولا تشعر　　　وداءک منک ولا تنظر
اتزعم انک جرم صغیر　　　وفیک انطوی العالم الاکبر

ترجمہ:- تمہاری دوا تمہارے پاس ہے مگر تمہیں احساس تک نہیں، اور تمہارا مرض تمہاری اپنی وجہ سے ہے تم دیکھتے نہیں، کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم ایک چھوٹا سا وجود ہو حالاں کہ

ایک عالم تمہارے اندر جلوہ گر ہے۔
اب اگر اس پر بھی کوئی نہ سمجھے؟

فما علینا اِلَّا البلاغ والسلام علی من اتبع الھدیٰ
وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

☆☆☆

مطبوعات تاج الفحول اکیڈمی بدایوں

۱۔ **احقاق حق** (فارسی) - سیف اللہ المسلول سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی
ترجمہ وتخریج تحقیق: مولانا اسید الحق قادری، صفحات - ۱۵۶، قیمت - ۶۰/روپے

۲۔ **عقیدۂ شفاعت** کتاب وسنت کی روشنی میں -
سیف اللہ المسلول سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی
تسہیل وتخریج: مولانا اسید الحق قادری، صفحات - ۱۲۲، قیمت - ۴۰/روپے

۳۔ **مناصحۃ فی تحقیق مسائل المصافحۃ** (عربی) -
تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر قادری بدایونی
ترجمہ وتخریج: مولانا اسید الحق قادری صفحات - ۶۴، قیمت - ۲۰/روپے

۴۔ **طوالع الانوار** (تذکرۂ فضل رسول) - مولانا انوار الحق عثمانی بدایونی،
تسہیل وترتیب: مولانا اسید الحق قادری صفحات - ۱۰۴، قیمت - ۳۵/روپے

۵۔ **البناء المتین فی احکام قبور المسلمین** - مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی،
تخریج وتحقیق: مولانا دلشاد احمد قادری صفحات - ۴۰، قیمت - ۱۵/روپے

۶۔ **تذکار محبوب** (تذکرۂ عاشق الرسول مولانا عبد القدیر قادری بدایونی) -
مولانا عبد الرحیم قادری بدایونی صفحات - ۶۴، قیمت - ۲۰/روپے

۷۔ **مدینے میں** (مجموعۂ کلام) - تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم قادری بدایونی
صفحات - ۶۸، قیمت - ۲۰/روپے

۸۔ **مولانا فیض احمد بدایونی** - پروفیسر محمد ایوب قادری،
تقدیم وترتیب: مولانا اسید الحق قادری، صفحات - ۶۴، قیمت - ۲۰/روپے

۹۔ **قرآن کریم کی سائنسی تفسیر** ایک تنقیدی مطالعہ - مولانا اسید الحق قادری
صفحات - ۶۴، قیمت - ۲۰/روپے

۱۰۔ مولانا فیض احمد بدایونی اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء (ہندی) - محمد تنویر خان قادری بدایونی
صفحات - ۴۰، قیمت - ۲۰/روپے

۱۱۔ **سیرت مصطفیٰ** (ﷺ) **کی جھلکیاں** (ہندی) - محمد تنویر خان قادری بدایونی
صفحات - ۴۴، قیمت - ۲۰/روپے